

سازگار

نمزه احمد

19

حکایت

تالیہ خواب میں قانع کے سن باؤ والے گھر میں، خود کو ایڈم کے ساتھ خزانہ تلاش کرتے ہوئے دیکھتی ہے۔ تالیہ سے اپنی فائل کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے اور اسے اپنے گھر آنے سے منع کر دیتا ہے۔ تالیہ کو عصرو سے پتا چلتا ہے کہ ایڈم کے پاس ہے۔ ایڈم اسے ایک جیولر کو بیچ دیتا ہے۔ تالیہ اس کے حوالے سے اسے الجھا دیتی ہے اور جیولر کو بلکہ کر کے سرنگھڑا لیتی ہے، مگر اس کے ہاتھ میں نہینے کے بجائے ایڈم اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔

فارض صاحب کے ذریعے قانع کو عالم کا پتا چلتا ہے۔ فائل کی واپسی کے لیے عالم صبح تک کا وقت مانگتا ہے اور منصوبے میں قانع کو بھی شامل کرتا ہے۔ قانع اس کی باتوں سے متاثر ہو کر راضی ہو جاتا ہے۔ ایڈم پر سکے کا اثر ہے۔ عالم پتا چلا لیتا ہے کہ فائل اشعر کے آفس میں ہے۔

صبح تالیہ کو بیک سیل کرنے آتا ہے۔ بازار میں داتن، صبح کو خوف زدہ کر دیتی ہے۔ عالم جان پہ کھیل کے روزی، فائل اشعر کے سیف سے جھاکر لادیتا ہے۔ قانع، عالم سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔

ایڈم کو تالیہ مشکوک لگتی ہے۔ دو تالیہ کی گردن پہ نشان دیکھتا ہے تو اسے تاریکی کہانی یاد آ جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتا کہ تالیہ اس سکے کے پیچھے ہے جو ایڈم کے پاس ہے۔ عصرو سے قانع جھوٹ بولتا ہے۔ عصرو کو قانع اور اشعر دونوں آتے ہیں۔ قانع سن باؤ کو بیچنے سے پہلے وہاں ایک دن گزارنے جاتا ہے۔ عصرو، تالیہ کی فرمائش پر اسے بھی بلاتی ہے۔ قانع سن باؤ کے گھر کی کہانی سنا رہا ہے۔ تالیہ اس گھر کے کتوں کو دیکھ کر سمجھ جاتی ہے کہ خزانہ کہاں ہے۔ دو قانع سے



کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔ مگر وہ اسے پہننے سے انکار کر دیتا ہے۔ فاتح کو یاد آتا ہے کہ وہ مسٹر وائٹ کے ساتھ پہاڑوں کی سر کو جاتا ہے، جہاں آریانہ کو اس کی آیا دھوکے سے اغوا کر لیتی ہے۔ فاتح، آریانہ کے گلاب کے پتوں سے اپنے کارڈ کے ذریعے آریانہ کی لاش تک پہنچ جاتا ہے۔ آریانہ حراست کے دوران پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس کے اغوا کار بھی کھائی میں گر کر مر جاتے ہیں۔ فاتح آریانہ کی مسخ شدہ لاش دفن کر دیتا ہے۔ اور اس کی موت کا کیس کھینچتا ہے۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ آریانہ کو صوفی رحمن نے اغوا کر لیا تھا۔

ایڈم ملا کہ پہنچ جاتا ہے۔ ایڈم کو یقین دلانے کے لیے تالیہ پر سیلیٹ اس کو دے دیتی ہے۔ ایڈم ٹمک میں ہار راستے میں فاتح کو پہنچاتا ہے۔

تالیہ فاتح کے کمر میں خزانے کا راستہ تلاش کر لیتی ہے۔ فاتح اور ایڈم بھی پہنچ جاتے ہیں۔ فاتح اسے پہلی کمرے کے حوالے کرنا چاہتا ہے، مگر تالیہ خزانہ دیکھنے پر ہنس دیتی ہے۔ بالآخر تینوں بحث کے بعد ایک دروازے سے گزرتے ہیں۔ جہاں سے وہ ایک جنگل میں پہنچ جاتے ہیں۔ دروازہ غائب ہو جاتا ہے۔

راستے میں وہ سی حالات پیش آتے ہیں جو تالیہ خواب میں دیکھ چکی ہے۔ اسے داتن کی باتوں میں سہیلی خزانے لگتی ہے کہ وہ چند ہویں صدی کی لڑکی ہے جو وقت سے آگے کھل آئی تھی۔ خزانے کے لالچ میں، اور سچ کی تلاش میں تھکا اور ایڈم پرانے زمانے میں پہنچ جاتے ہیں۔

فاتح پر مکمل جاتا ہے کہ تالیہ سنی عالم ہے۔ اب اس کا رویہ بدل جاتا ہے۔ وہ حالات سے گھبرانے کے بجائے جنگل سے نکلنے کا سوچتا ہے۔ اور ان خود ان دونوں کا لیڈر بن جاتا ہے۔

جنگل میں تالیہ کو آگ لگتی ہے۔ کہ شہزادی تاشہ اس کے کاؤں کے لوگوں پر ظلم ڈھار رہی ہے اور اس نے تالیہ کے کو بھی قید کر لیا ہے۔ تالیہ کو شہزادی تاشہ سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔ مگر ایڈم اور وان فاتح تاریخی کتابوں کے حوالے سے تاشہ کو جانتے ہیں۔ وہ دونوں تاشہ کی تعریف کرتے ہیں اور وان فاتح تاشہ کا صحن ہے۔

وان فاتح کو اپنے ملک میں ہونے والے انتخابات کی بھی فکر ہے اس کا خیال ہے کہ مراد دوبارہ چابی ہٹا دے گا تو وہاں اسے ملک چلے جائیں گے اس مقصد کے لیے قدیم ملاکہ جانا ضروری ہے۔

یہ لوگ رین فار ریٹ میں سے راستہ تلاش کر کے جنگل میں جاتے ہیں۔ جہاں تالیہ ہرن کا شکار کر کے اسے آگ پر بھونپتی ہے۔ کسان کی یہ خوشی قدیم ملاکہ کے لوگوں کو متوجہ کر لیتی ہے۔ اور تین قدیم باشندے وان فاتح، ایڈم اور جانی کو رہتی پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ایسے میں تالیہ کو دوبارہ آگ لگتی ہے جب وہ ملاکہ کے ایک قدیم خانے میں جاتے ہیں پہنچتی کئی تھی۔ وہاں کی انپارن مسز مار نے اس کا بریسیلیٹ اتار لیا تھا اور ایک سنار کوچ دیا تھا مگر وہ بھاگنے لپے بدلتی لایا تھا۔ وہ مکمل نہیں رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ دوسری مصیبتوں میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔ تینم خانے کی میز پر تالیہ پر چوری کا مللہ الزام لگاتی ہے۔ اور اسی ضد میں تالیہ چوری کرنا اور زبردستی اپنا حق چھیننا چھوڑتی ہے۔

تینم خانے میں مسز ڈو اللٹن آتے ہیں جو حضور اوقت بچوں کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں تاکہ اپنا سن بچے ایڈم اپٹ کریں۔ ان کا زیادہ وقت تالیہ مراد کے ساتھ گزارتا ہے۔ جو ہمہ وقت کسی پہاڑی پر کل کا اسلحہ ہتھیاتی ہے۔ ذرا اچھا اسے پہنچے گا اب اور بچے کا ایک شہید ہو گا مگر متاثر کرتے ہیں۔

ذو اللٹن ایک کون آرٹسٹ اور اسکالر ہے۔ وہ تینم خانے میں بچہ ایڈم اپٹ کرنے نہیں آتا تھا۔ بلکہ کسی جگہ نظر رکھتا تھا اور سوچتی تھیں وہاں سے ہیرا لے اڑا۔ پولیس تالیہ سے اس کا اسلحہ ہتھیاتی ہے۔ تو وہ مللا اسلحہ بنا کر اسے چھینتی ہے۔ تالیہ کو ہار ہار تینم خانے میں اپنے ساتھ ہونے والا برا سلوک یاد آتا ہے۔ اسے لاہور کے ایک کمرے میں لے جایا جاتا ہے، جہاں اس کی اسٹیلی کے نقل کا مہو نا الزام لگایا جاتا ہے۔ وہ سچائی ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔

ملا تینم کو یاد کرتی ہے۔ جہاں اس نے ہار ڈو اللٹن کو لاہور لایا تھا اور احسان مندی کے طور پر ڈو اللٹن نے اسے اپنے سارا ہنر سکھا دیا تھا۔

تالیہ، ایڈم اور فاتح کو "ابو الخیم" نامی آدمی کے کارندے ایک بنجر بے میں قید کر کے کمزرا گاڑی کے ذریعے قید

عالم کے لئے جاتے ہیں۔ ممالک خود کو گورنر ایڈم کو آؤ کر لیتی ہے۔ مگر فحاش کو آؤ کر لیتے سے پہلے اقوام کا وہاں کو پہنچ جاتے۔ یہ وہ وہاں فحاش کو پہنچ کر آؤ کر لیتے جاتے ہیں۔ فحاش کو ایک تھیلے کے لئے لکھ کر دیا جاتا ہے۔ جہاں لکھا "ممالک" لکھا ہے۔ مگر یہ ممالک کیا جاتا ہے۔

تو میں نے وہی گونا گوں اہل تشیع کو دیکھا جن میں سے کسی خاص شخص سے بھی کیا ہے۔ وہ خود وہاں کے شیعہ ہیں۔
پھر نے کے بوائے ان کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تاہم ان کی بات سے وہ وہوں اپنے اقوال کو روک کر
دے کر چھٹک جاتا ہے اور یہی ہی کرتے ہیں۔ جہاں یہاں کہہ دیتا ہے کہ وہ خود اپنے فرائض سے دور ہوا ہے اور
جہاں ہوا ہے وہ اپنے سامنے سے غداروں کے آگے چلا دیتا ہے اور خود یہاں سے ہوا ہے وہاں سے ہوا ہے
جہاں سے ہوا ہے وہاں سے ہوا ہے کہ جس سے ہوا ہے وہاں سے ہوا ہے۔ یہی مراد یہاں کہہ دیتا ہے کہ

ایہ مردانِ قرآن کو یہ پختہ کی غلافی میں کام کرتے ہوئے، موقع یا کتاب کے بارے میں جانتے تو اس قدر کہانی سمجھتے تھے کہ یہ جان کر غصے میں آجاتی ہے اور طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تین بے گنہہ افراد جن میں ایک عورتی شامل ہے، کو زندہ لے کر مختلف مزار کی طرف لے جاتے ہیں کہ شہادت میں کام کرنے کی ہوا چلتی ہے۔

[illegible]

مکہ پرانے میں چھ یا دہشتا کی پیش گوئی یا دہشتا و مرسل کا بیڑہ ہے مگر وہ ایک طائر مہربان ہے اور اس کے حوالے سے بہتر یادداشتیں موجود ہیں جو دہشتا کے فیصلے پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔

و ان قاضی کو ابو الخیر اپنے باورچے حملے میں کامیاب نہ کرتے ہے۔ ہوائے اعلیٰ نے کورجبت کے خلاف

تجلیہ، فوراً سے طاقت کا موقع نکال لیجئے۔ وہ جو تنازعہ جتنی سے کہہ رہے ہیں، اس سے تم کو کاہل سے بچا دیتے ہیں۔ مگر قوت نہیں ہے۔ یہ ایم "بیکار یا ملازم" کے دو کٹر کا فیصلہ ہے۔ اگر تم نے بھی کتاب کھلی مڑوں نہیں کہہ سکتے ہو۔

یہ انکسیر شریقی تھا اپنی ہنر چاہتا ہے تو وہ ہاشوا کی اونچوت کرتا ہے۔ چہاں مکہ اور مدینہ میں جوتے ہیں۔ تاہم بھی ہواں
میں جاتی ہے۔ ہاشوا اس سے سترہ بیڑا ہے۔ مکہ یاں سینو "واٹک" کی کوشٹاں تو لگتا ہے تو چاہتی ہے۔ عربوں کو انکسیر
واں خاص محسن ہوا کہ واٹک کی سے سترہ بیڑا نکلتا ہے۔ ہواٹک کی بھی موجود ہے۔ ہواٹک اس سے نظروں محسن کو
کے تاج کے ہاتھوں سے زبرد ہوا ہے۔ عربوں کی واٹک کی پختہ کر کرتا ہے۔

جانبِ دواغذنی سے بے حد متاثر ہے اور اسے خواہی دیکھنا چاہتا ہے مگر جلیہ ابو الخیر کو تو رنجی دینے کی سزا دل کرتی ہے۔ خاص کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے وہ جلیہ، ایذا کو شادی سو دغ فحیرت کرتی ہے۔ خاص تمام حواسوں میں آگڑھوی کا جذبہ چمکتا ہے اور اپنے ساتھ کاشین لگاتا ہے۔ دلجو مرہو تمام اہم جہوں پر بادشاہ کو قاضی کر کے اپنے آدمی فحیرت کر دیتا ہے اور ہر اور کے کا کنٹرول اپنے ساتھ میں لے لیتا ہے۔ جلیہ شادی سو دغ سے اپنی جھوٹی تمیزیں کھولتی ہے۔

جس پر کمالی کی دولت، کسی خلیہ جگہ پر چھپا کر رکھتا ہے۔ پتلیہ، سجدہ کے: مہر پر مہر حاصل کرنے کے لیے دوا خیر ہے راجہ جت
کسکتی ہے۔ قانع کو پتا چل جاتا ہے اور ہوا میں دوا خیر کا قلم بننے کو ترجیح دیتا ہے۔ قانع مستحق
کامیابی ہے۔ کامیابی کے لیے دوا خیر کا قلم بننے کو ترجیح دیتا ہے۔ قانع مستحق

لیا جاتا تھا کہ اس کی کوستار کرتا ہے۔
 یان سو نو کے والد کو بادشاہ مرسل کی نظر لگ جاتی ہے، اس کو توڑ کے لیے پورٹو کا مستعمل قسطن کا پلن چاہتی ہے
 مگر شاہی طبیب آنا کافی کرتا ہے۔ تاہم مداخلت کر کے طبیب کو گھٹکا کا حکم ماننے پر مجبور کر دیتی ہے۔ گھٹکا کی وجہ سے

کر دیتی ہے مگر تالیہ باتوں باتوں میں اس کا دل اپنی طرف سے صاف کر دیتی ہے۔ بادشاہ کے حوالے سے اس کے خدشات بھی دور کر کے واضح کرتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی خاطر ضرور واپس جائے گی۔
 قاریج کے کہنے پر محمود مرنی، وانگ لی سے مدد چاہتا ہے مگر وہ انکار کر دیتا ہے۔ وانگ لی کے انکار سے اس کی ٹھنڈت کابت قاریج کے سامنے ٹوٹ جاتا ہے۔
 رولہ مرسل تالیہ کے فن اور تالیہ سے متاثر ہو کر اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ایڈم کی زبانی یہ بات سن کر قاریج کا دل داغ مگھوم جاتا ہے۔ رولہ مراد کو شک ہو جاتا ہے کہ تالیہ اپنے ساتھ کسی مرد کو لائی ہے وہ اسے تلاش کر داتا ہے۔ تالیہ بھی یہ بات بھانپ جاتی ہے اور قاریج کو خبردار کرتی ہے۔ رولہ مرسل تالیہ کے باپ کو تالیہ کا رشتہ دیتا ہے۔

ملکہ یان سو فو کی کنیر یہ بات ملکہ کو بتاتی ہے۔
 تالیہ، عصر کو نیلای والے دن گھاس غزال کی نعلی پینٹنگ کے اسکینڈل سے بچا لیتی ہے اور سن باؤ والے گھر کو کرائے پر حاصل کرنے کی بات کرتی ہے۔ وان قاریج ایڈم سے اس رات کی بابت دریافت کرتا ہے۔
 تالیہ کے گھر سمجھ آتا ہے اور اسے دھمکا تا ہے۔ تالیہ اسے کہتی ہے کہ وہ اب اس سے ڈرتی نہیں ہے۔
 وان قاریج حاکم (تالیہ) کو فوٹو کرنا ہے اور اس سے اس رات کے بارے میں معلومات کے لیے کہتا ہے۔
 اشعرنا شتے پر تالیہ سے ملنے جاتا ہے وہاں رمی اس سے کہتا ہے کہ نعلی خریدار پینٹنگ کے پیسے مانگ رہا ہے۔ اشعرنا سے سخت کھتا ہے۔ تالیہ اشعر کو ہنسی ہنسی میں بہت کچھ جتا دیتی ہے۔ اشعرنا چاہتے ہوئے بھی مسکرا کر اس کی بات سنتا ہے۔ تالیہ وان قاریج کے آفس میں اس سے نوکری دلوانے کا کہتی ہے۔
 ایڈم کی ماں اس سے کہتی ہے کہ وہ جلد از جلد نوکری ڈھونڈے ورنہ اس کی منگنی ختم ہو جائے گی۔
 تالیہ وان قاریج کے آفس جاتی ہے وہاں سمجھ اسے بلیک سیل کرتا ہے تو وہ واش روم میں اسے بلا کر اپنے ہیرے کے پائیس دے دیتی ہے۔
 عصر کے بچے وان قاریج کے کمرے سے چرائی فائل کے بارے میں جانتے ہیں۔ عصر خوف زدہ ہو جاتی ہے۔
 بچوں کو دھمکا تی ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

PakiBooks.Site

انیسویں قسط

گیلے بالوں اور کپڑوں کے ساتھ گھرے گھرے سانس لیتے ہوئے وہ اب ایک بھرپور چٹنی انجوائے کرنا نظر آ رہا تھا۔

”قاریج صاحب.... وان قاریج!“

آوازوں سے ہی اسے معلوم ہو گیا تھا کہ رپورٹرز نے اسے ڈھونڈ لیا ہے۔ اس نے بس مسکرا کے چہرہ اوپر اٹھایا تو وہ مکھیوں کی طرح اطراف سے اس پہ جھپٹے۔ پہلے بھر میں سامنے پانچ چھ افراد جمع ہو گئے تھے۔ ایک دو نے چھتریاں تان کے بانی سب کو بھی بارش سے بچا لیا تھا۔ کچھ چھتر تلے آگئے تھے۔
 ”آپ نے کاغذات نامزدگی جمع کروا دیے“

حکام عالم سے فون پہ بات کرتے ہوئے سرک پہ تیز تیز چل رہا تھا جب بارش شروع ہوئی۔ ٹریک سوٹ میں ملبوس کانوں میں وینڈز فری لگائے، اس نے چہرہ اٹھا کے آسمان کو دیکھا، پھر قدم تیز کر دیے۔

قریب میں بس اسٹینڈ کا چھپر بنا تھا۔ قاریج نے بات جاری رکھتے ہوئے، جب سے پانی کی ٹھنسی سی بوسل لگائی اور شینڈ کی طرف آ گیا۔

عالم نے ایک دم سے کال کاٹ دی تو اس نے برامانے بغیر وینڈز فری کانوں سے نکالے اور بیچ آ بیٹھا۔ پھر بوتل لہوں سے لگائی اور موبائل کھول کر دیکھنے لگا۔

ہے اور پھر الیکشن سے پہلے بہت سے کاغذات جمع کروائے جاتے ہیں۔“

ہینڈ زفری کانوں میں ڈالنا وہ فٹ پاتھ پہ آگے بڑھا تو رپورٹرز اپنے مائیک اس کی طرف بڑھائے لے قدموں پیچھے ہٹنے لگے۔

”آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اشعر صاحب صرف کوریگ امیدوار ہیں؟ اور وہ بعد میں کاغذات واپس لے لیں گے؟“ ایک لڑکے نے بلند آواز میں پوچھا۔ (کوریگ امیدوار دراصل امیدوار کا حامی ہوتا ہے اور اس لیے کاغذات جمع کروانا ہے تاکہ اگر اصل کے کاغذات مسترد ہو جائیں تو اس کا گروپ اس کو کھڑا کر سکے۔ مسترد کیے جانے کے فیصلے کے آنے تک کاغذات نامزد کی جمع کروانے کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے۔)

”اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اپنی جاگنگ مکمل کر لوں کیونکہ میرے سامنے ایک لمبا دن

ہیں۔ کیا آپ خود کو بی این کا اگلا حیر میں بننے دیکھ رہے ہیں جبکہ کچھ عرصہ پہلے تک آپ کے استعفیٰ کی انوائس گردش کر رہی تھیں۔“

کسی نے مائیک اس کے چہرے کی طرف کیے سوال جھاڑا۔ وہ مسکرا کے پیچھے ہوا، ایک بازو ہینچ کی پشت پہ پھیلا یا اور ٹانگ سے ٹانگ جمالی۔

”وان فاتح استعفیٰ نہیں دے رہا... نہ دے گا۔ میں الیکشن لڑ رہا ہوں اور بالکل لڑ رہا ہوں۔“

”مگر کچھ عرصہ پہلے تک لوگ آپ سے یہ سوال پوچھتے تھے تو آپ جواب گول کر جاتے تھے۔ اب آپ بہت دھڑلے سے الیکشن لڑنے کی بات کر رہے ہیں۔ کیا جب آپ کو لگتا تھا کہ آپ کو مخالفتوں کے باعث الیکشن سے دستبردار ہونا پڑے گا؟“

”کیکیں الیکشن لڑنا تو میں اس دن چھوڑ دوں گا جس دن آپ کو اطلاع ملے گی کہ بعد نماز عصر وان فاتح کا جنازہ ہے۔ ورنہ اس زندگی میں سیاست میں ایک دفعہ اتر جانے والا اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔“

بارش میں کھڑے رپورٹرز کا توجہ کونجا۔

”مگر فاتح صاحب..... جب سے آپ کی وکائیں جلی تھیں اور آپ کی انوسٹیٹ ڈوبی تھی عام تاثر یہ بن گیا تھا کہ آپ کے پاس الیکشن لڑنے کا پیسہ نہیں ہے۔ تو اب آپ کے مالی حالات کیسے ہیں؟“

”اب صوفی رٹن کی طرح میرے باپ نے بھی کرپشن کر کے لامحدود دولت اکٹھی کی ہوئی تو میرے مالی حالات کو اس آگ سے فرق نہ پڑتا مگر خیر.... میں الیکشن لڑنے کی پوزیشن میں ہوں۔“

”فاتح صاحب یہ بتائیے۔“ دوسرے رپورٹر نے سانس لیے بغیر پوچھا۔ ”تازہ اطلاع ہے کہ کل اشعر محمود بھی پیٹر میں شپ الیکشن کے لیے کاغذات جمع کرانے جا رہے ہیں۔ اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟“

فاتح نے جیب سے ہینڈ زفری نکالے اور ان کی گردن کھول اٹھا۔ ”کاغذات جمع کروانا ہر ایک کا حق

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

سچی منگر کی دلانی



وہیں چھپا

تبت - 3501 روپے

صفحہ ۳۴

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

فون نمبر:

32735021

37، لارڈ پارک، کراچی

جہت خرد ملی تھی۔

ہے۔" اس نے جواب دیے بغیر فون جیب میں ڈالا اور سینڈ فری کانوں میں لگاتے ہوئے قدم تیز کر دیے۔ مکانی مزید سوالوں کی بوجھاڑ کرنے لگے مگر وہ جلد ہی ان کے درمیان سے راستہ بنا تا۔ آہستہ آہستہ بھاگتا آگے نکل گیا۔

اور ایسے میں اس کے ذہن میں ایک خیال گردش کرنے لگا تھا۔

معطوم نہیں عالم ہی اس انو-سٹی گیٹر کا کیا مسئلہ ہوگا؟

بار بار ذہن بھک کے اس ہی کی طرف جا رہا تھا۔

جہ جہ

ایڈم کے چھوٹے سے گھر کا باغیچہ اتوار کی صبح پھولوں سے مہک رہا تھا۔ مرغی گھاس پر چونچ مار رہی تھی اور چوڑے چوں چوں کرتے اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ دیوار یہ لوہے کی پارگی تھی جس کے باعث مٹی اب وہاں دکھائی نہ دیتی تھی۔ ایڈم کی ماں برآمدے کی سیڑھیوں پہنچتی تھالی میں میدہ لیے بیڑے بنا رہی تھی۔ بارش ختم ہوئے گھنٹہ بھر ہونے کو آیا تھا اور موسم خوشگوار تھا۔

اطلائی گھنٹی بجی تو ماں نے چونک کے سر اٹھا لیا۔ بیڑے بناتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ سامنے گئے چھوٹے سے جنگلے نما گیت کے پار کمزی لڑکی صاف دکھائی دیتی تھی۔ پاؤں کو چھوتا سرخ فرائک پہنے کبھی پہ پہنک ڈالے، سر پہ ترچھا سفید ہیٹ رکھے "دو سنہرے بالوں والی لڑکی شناسما۔"

"سلام!" سر کو خم دے کر سلام کیا تو ابو تھالی رکھ کے آنے سے تسخڑے ہاتھوں کے ساتھ انھیں۔

"ہے..." دور کیس۔ اس کا نام کیا تھا؟ ذہن میں گڈمڈسا ہو رہا تھا۔ مگر وہ جلدی سے آگے آئیں اور سکرا کے دروازہ کھولا۔

"میں ایڈم سے ملنے آئی ہوں۔" وہ ہلکا کے بولی۔ ساتھ ہی نظروں سے ہانسیہ کا سائزہ لیا۔ لباس کے انتظام پہ ماں کی اہلی جیسا تھا سا کمر تھا جس کی

"آپ اندر آئیے۔ میں اسے جاننے چاہتی ہوں۔" ایسا اسکرٹ سے بندھے رد مال سے ہاتھ رکتی گئی اندر کو گئیں۔

"ایڈم۔ ایڈم!" ماں ایڈم کے کمر سے دروازہ تیزی سے کھول کے اندر داخل ہوئی تو دیکھا وہ اسٹڈی ٹیبل پہ جھکا کچھ لکھتے میں مصروف تھی۔ چپک دالی سر کی سرٹ پہنے، وہ مڑا، دیکھے سر قرد ماں کو دیکھ کے چہرہ سوزا اور جھانکی روکی۔

"میں باتھتے کے لیے آئی رہا تھا۔"

"وہ باہر آئی ہے۔ کبہر ہی ہے ایڈم سے بات کرنی ہے۔"

"نہیں۔ وہ لڑکی جس نے تمہارے تیا کا خواب سن کے آئیں کہا تھا۔"

ایڈم بن محمد کی چند جیسے سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ ہونٹوں کی طرح ماں کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"کون؟"

"وہ جو اشعر صاحب کی پارٹی میں موجود تھو۔ سنہرے بالوں والی۔"

ایڈم اتنی تیزی سے بوکھلا کے کھڑا ہوا کہ اس کی ہڈیاں جھٹکنے کی آواز آئی۔

"جے تالیہ؟"

"ہاں۔ یہ وہی ہے نا جو کسی کی نوکری تھی اور اب خاندانی رئیس بننے کی اداکاری کرتی ہے؟"

نے یاد کیا۔

"وہ کوئی نوکرانی وغیرہ نہیں ہے۔" ایک کے اعلیٰ ترین شاہی خاندان سے تھی۔

شہزادیوں سے بھی اعلیٰ ہے وہ۔ "دو بڑے بھائی جلدی بولا تھا۔

تالیہ گیت کی طرف پٹے کئے کمزی تھی جب وہ دوڑتا ہوا باہر آیا۔ اس کا لباس سرخ فرائک تھا۔ ہیٹ اور پیچھے کرتے سنہری ہالیاں سے دکھائی

دیتے تھے۔ ایڈم نے شرمندگی سے اپنے چھوٹے
سے بانیچے کو دیکھا، پھر ہاتھوں سے شرٹ کی نادیہ
فٹنیں درست کیں اور کنگھارتا ہوا قریب آیا۔
”پہنالیہ!“

وہ اس کی طرف گھومی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔
جالیہ نے سفید ہیٹ ترچھا کیا تو اس کا چہرہ پورا نظر
آیا۔ اس چہرے پر صرف سادگی تھی۔
”اندرا..... اندرا آئیے۔“

وہ گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ یعنی سڑک پر۔
ارد گرد چھوٹے گھروں کی قطار تھی اور لوگ آ جا رہے
تھے۔ ایک لڑکی پر ام دھلیاتی آرہی تھی۔ ایک فرہنگی
مانگل عورت مہتری وغیرہ کے تھیلے اٹھائے سامنے جا
رہی تھی۔ ایک بوڑھا جوڑا خوش گوارد موسم کے باعث
چہل قدمی کرنے نکلا ہوا تھا۔

”یہ عورت کبھی اس لڑکی جیسی ہوگی۔“ اس نے
اندروں سے سامان اٹھائے چلتی عورت کی طرف اشارہ کیا
تو ایڈم نے اس کی نکاہوں کے تعاقب میں پہلے اس
موتی عورت کو دیکھا۔ پھر اس نوجوان لڑکی کو۔ ”کبھی یہ
اتنی پتلی ہوگی لیکن اپنی شادی کے تین چار سال بعد یہ
ایسی ہوگی ہوگی۔ تقریباً بیس کلو وزن بڑھا ہوگا جس کو
یہ گھٹانے سکی ہوگی۔“

ایڈم غور سے اسے بولتے ہوئے دیکھ رہا
تھا۔ اپنے گھر پر شرمندگی، اپنا رفا علیہ ’ساری فکریں
ذہن سے محو ہونے لگیں۔

”جانتے ہو پتلے لوگ مونے کیوں ہو جاتے
ہیں؟“ تالیہ گردن مونے پتلی لڑکی کو پر ام دھلیاتے دیکھ
رہی تھی۔

”کیونکہ وہ بہت کھاتے ہیں۔“
”مگر کتنا کھاتے ہیں؟ پتا ہے ایک حقیقی ہوگی
اس بارے میں کہ پتلے لوگوں اور مونے لوگوں کی
روزانہ کی خوراک میں کتنا فرق ہے؟“
وہ ذمہ منسکراہٹ کے ساتھ بتا رہی تھی۔

”مونے اور پتلے لوگوں کی سال بھر کی خوراک
کا موازنہ کیا گیا تو معلوم ہے ’شاہی مورخ‘ ہر روز

مونے لوگ پتلے لوگوں سے کتنا زیادہ کھاتے ہیں؟“
اس نے چہرہ موز کر چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔
”صرف ایک نوالہ زیادہ!“

ایڈم نے بے یقینی سے ایہہ اٹھائے۔
”ایک نوالہ؟ صرف ایک نوالے سے کون مونے
ہوتا ہے؟“

”بالکل۔ یہ عورت بھی یہی سمجھتی ہوگی کہ روز کا
ایک نوالہ زائد کھانے سے میں موتی کہاں ہو سکتی
ہوں۔ مگر ہر روز کا ایک زائد نوالہ جو اندر جاتا ہے وہ
جمع ہوتا جاتا ہے اور سال بھر میں چار پانچ کلو وزن
بڑھ جاتا ہے۔ شادی کے چوتھے پانچویں سال تک
لڑکیاں پندرہ بیس کلو بڑھا کر موتی مرنیوں جیسی بن
جاتی ہیں کیونکہ ان اب کو لگتا ہے کہ ایک نوالہ.....
ذرا سی ہیننگ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

پھر وہ پوری اس کی طرف گھومی اور اس
منسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

”لیکن فرق پڑتا ہے۔ روز کے چھوٹے
چھوٹے جھوٹ اور چھوٹی چھوٹی خیانتیں جمع ہونے کے
بہت بڑا ڈھیر لگا دیتی ہیں اور ان سے جان چھڑانا اتنا
آسان مشکل ہوتا ہے جیسے بڑھا ہوا وزن کم کرنا۔ ان
دونوں کاموں کے لیے بہت صابر اور پرہیز کرنا ہوتا
ہے۔ پلیٹ میں پیش کی گئی نعمتوں کو دیکھ کے بھی انکار
میں سر ہلانا پڑتا ہے۔“

”آپ نے فیصلہ کر لیا ہے؟“
”ہاں..... میری کار میں کھدائی کا سامان پڑا
ہے۔ میرے ساتھ ملا کہ چلو۔ ہم اپنا خزانہ کھود کے
نکالیں گے اور پھر ہم فوراً ڈسٹرکٹ آفیسر کو خبر دیں
گے۔ ہم اسے پوری ایمانداری سے سرکار کے حوالے
کر دیں گے۔“

ایڈم نے اسے چٹلیاں سکڑ کے مشکوک نظروں
سے اسے دیکھا۔ ”میں کیسے یقین کروں کہ آپ خزانہ
دیکھتے ہی کدال میرے سر پہ نہیں دے ماریں گی؟ اور
کھودے ہوئے گڑھے میں میری لاش دفن کے
سارے ثبوت نہیں منادیں گی؟“

”ہاں اور جب ہم سرکار سے خزانے کی ڈیل کریں گے تو ان سے عہد لیں گے کہ انعام خزانے کا پرسنٹ اتبج ہونا چاہیے۔ کروڑوں کے خزانے کا معمولی حصہ بھی بہت ہی ہوگا۔ حکومت بہت آرام سے چند نوادرات ہمیں دے دے گی جس کو میں بھولہ پروموشن کے بعد کروڑوں میں بیچوں گی۔ ہاں ہم اس رقم سے بہت امیر نہیں ہو جائیں گے مگر ایک نئی زندگی شروع کرنے کے لیے اتنی رقم کافی ہے اور پھر میرے پاس ملاکہ سے لایا گیا قیمتی زیور بھی ہے اور دان قاسم مجھے لی این میں اعلیٰ پائے کی جاب بھی دلو دیں گے۔ یہ بھی کم نہیں ہے۔“

”اور میں سمجھا چے تالیہ اپنے سارے خواب بھلا کر درویشانہ زندگی گزارنے جا رہی ہیں مگر آپ نہیں بدلیں گی۔“ وہ مصنوعی غلطی سے بولا تو تالیہ نے کندھے اچکائے۔

”خوابوں پر شہزادی تالیہ کبھی سمجھوتہ نہیں کرتی۔ گستاخ مورخ۔“ پھر اس کے دائیں ہاتھ کو دیکھا جسے ایڈم نے سرعت سے پیچھے کر لیا۔ ”میں لباس تبدیل کر کے آتا ہوں، آپ نہیں رکھیں۔“

وہ جیسے ہی اندر آیا ایبو پیچھے پیچھے چلتی آئیں۔ ”تم دونوں کسی خزانے کی بات کر رہے تھے ایڈم مجھے بتا دے کیا ہو رہا ہے؟“

”ایڈم بن محمد کو زمین میں چھپے خزانے کا راز ملے والا ہے، ماں۔ تایا کی دعا قبول ہونے والی ہے۔“ وہ الماری میں ہینگرز ادھر ادھر کرتے ہوئے غلت میں ہٹانے لگا۔ چہرہ جوش سے تھمتھار ہاتھا۔

چوکھٹ میں کھڑی ایبو نے گہری سانس لی۔ ”اور اس روز تم دنیا کے بادشاہوں سے زیادہ طاقتور بن جاؤ گے۔ یہ بات بھی اس خواب میں شامل تھی۔ ایڈم کے ہاتھ رکے۔ وہ ٹھٹکا۔ بے اختیار کبوتر ڈورین کی لاش اور وہ غار یاد آیا جو سونے سے بھرا تھا۔

(ایک خزانے کا راز اسے پہلے بھی ملا تھا مگر اس نے کسی مقام پر خود کو بادشاہ سے زیادہ طاقتور تصور نہیں

تالیہ نے تھکی ہوئی سانس بھری۔ ”اگر مجھے ایسا کرنا ہوتا تو تمہیں ساتھ کیوں لے کر جاتی؟ اسکے ہی سارے خزانہ نکال کے غائب ہو جاتی۔ تم نے پولیس کو نہ بتانے کا وعدہ کیا تھا۔“

”واقعی مجھے ساتھ لے کر جا کیوں رہی ہیں آپ؟“

”تاکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ تالیہ بیٹ مراد اپنے باپ جیسی نہیں ہے۔ وہ اس خزانے کو نہیں لوٹے گی جو اس کے ملک کے لوگوں کی امانت ہے۔ اور میرے خواب کے مطابق ہم دونوں اکٹھا خزانہ نکالنے کی باتیں کر رہے تھے۔ ایک خزانہ ہم نے پہلے بھی ایک ساتھ ڈھونڈا تھا۔ جیسے تم نے اس خزانے کی حفاظت کی تھی آج مجھے اس کی کرنے دو۔“

ایڈم کے سختے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ ماتھے کے ٹیلے غائب ہو گئے۔ وہ پورے دل سے مسکرایا۔

”آپ واقعی بدلنا چاہتی ہیں؟“

”ہاں مجھے اچھائی کی طاقت پر اتنا بھروسہ تھا تو ہے ہی۔“ بیٹ والی لڑکی مسکرا رہی تھی۔ ایڈم کا دل خوشی سے بھر گیا۔

”لیکن آپ کے امیر ہونے کا خواب اور سرور ارد جائے گا۔“

تالیہ مراد نے بیٹہ ترچھی کی اور معنی خیزی سے مسکرائی۔ ”کس نے کہا؟“

ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ”ایک منٹ..... آپ نے ابھی کہا کہ آپ خزانے کو ہاتھ نہیں لگائیں گی۔“

”ہرگز نہیں..... میں نے یہ کہا کہ ہم ڈسٹرکٹ آفیسر کو اطلاع دیں گے اور خزانہ حکومت کے حوالے کر دیں گے مگر نوادہ ایڈم۔ تم میں اور مجھ میں یہی فرق ہے۔ تم بہت سیدھے ہو۔ میں نہیں ہوں۔ میں نے ٹرچر فرم و ایکٹ پڑھا ہے۔ اس کے مطابق حکومت کو خزانہ ڈھونڈنے والوں کو انعام بھی دینا ہوتا ہے۔“

”انعام؟“ ایڈم کا منہ کھل گیا۔

کیا ہے۔ اور حقیقت تو وہ سب بھی نہیں ہے۔ کیا؟
 (پھر؟)
 خیر۔ اس نے سر ہٹا کر دیکھنے سے انکار کیا۔
 ☆ ☆ ☆

اس مصروف روزگار کے دونوں اطراف میں
 ڈیزائنر شاپیں بنی تھیں۔ شاؤچنگ کرتے لوگ روزگار
 کتار سے نکل رہے تھے۔ دکان کے اندر بھی اشیاء دور
 سے چمکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک جیو پارتی اسٹور
 کے دروازے سے سبز اندر داخل ہو رہا تھا۔
 صبح کے بال مناسب کئے تھے اور آنکھوں پر
 مینے فریم والا نظارہ کا چشمہ تھا۔ ڈیزائنر کوٹ پہنے آغلی
 میں سونے کی چمکی اتھوڑی۔ لکڑی میں سنہری گھڑی
 باندھے وہ بظاہر کوئی مال دار آدمی لگتا تھا۔ سانولے
 چہرے پر بے نیاز مسکراہٹ تھی اور عقاب جیسی
 آنکھیں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔
 منیجر اس کو دیکھ کے فوراً اٹھا۔ وہ مسکرائے قریب
 آیا اور زیورات سے بے شکوہ پس کے ساتھ رکھی کرسی
 پر بیٹھا۔

”تجارتیں سر کیا دیکھنا چاہیں گے؟“ یہ درمیانے
 درجے کا اسٹور تھا اور اس میں ڈیزائنر جیولری تو نہ تھی
 لیکن منیجر بھی اس کا شمار قابل منیجر اور ساجیولر میں ہوتا تھا۔
 سینئر منیجر نے نگاہوں سے اس آدمی کی بلی
 حیثیت کا اندازہ کرنا چاہا۔ دو کوئی دھڑواہٹ نہیں لگتا تھا۔
 ظاہر ہے وہ اس بات سے واقف نہ تھا کہ صبح
 نے ادھار کی چیزیں پکھن رکھی تھیں۔ اس کے مالی
 حالات خراب تھے آج کل اور کام ٹھنڈا تھا۔ قرض
 الگ چڑھے تھے۔ ایسے میں تالیہ کے باپس اس
 کا واحد ہتھیار تھے۔ ہاں مگر وہ بے وقوف نہ تھا کہ
 باپس بیچنے کی کوشش کرتا۔ اس نے اپنے سنار دوست
 سے ہیرے لٹکوائے تھے اور ان ہیروں کی پرانی
 مارینوں میں کسی درمیانے درجے کے اسٹور کی
 رسیدیں بھی بنوائی تھیں۔ ایسے اسٹور کے جیولر مالکان
 اپنے جاننے والے چوروں اور نو سر بازوں کو چوری
 شدہ زیورات کی رسیدیں بنا دیتے تھے تاکہ انہیں پھانسی

بیوقوفی بکس کا تیار کرنا

سوہنی میسرائل

SOHNI HAIR OIL



- آنت سے مرہ دانت
- شہار اکٹھ
- لہو سے مرہ دانت
- مہل سے مرہ دانت
- تیل سے مرہ
- دوسرے مختلف تیل سے مرہ

قیمت - ۱۵۵/- روپے

سوداگن میسرائل ۱۵۵/- روپے میں ملے گا۔
 اگر آپ کو کوئی اور چیز ملے گی تو اسے چار سو روپے میں ملے گا۔
 اگر آپ کو کوئی اور چیز ملے گی تو اسے چار سو روپے میں ملے گا۔
 اگر آپ کو کوئی اور چیز ملے گی تو اسے چار سو روپے میں ملے گا۔
 اگر آپ کو کوئی اور چیز ملے گی تو اسے چار سو روپے میں ملے گا۔

- 2 بوتلوں کے لئے ۱۵۵/- روپے
- 3 بوتلوں کے لئے ۲۵۵/- روپے
- 5 بوتلوں کے لئے ۴۵۵/- روپے

نوٹ: اس سر ڈاک فرم سے ملے گا۔ ۱۵۵/- روپے میں

میں آڈو ملے گا۔ ۱۵۵/- روپے میں

پانی بکس، ۵۵/- روپے میں ملے گا۔
 دوسری طرف والے صفحوں میں ملے گا۔
 پانی بکس، ۵۵/- روپے میں ملے گا۔
 کتب خانہ، ۵۵/- روپے میں ملے گا۔
 ۳۲۷۳۵۰۲۱

آسان ہو۔ اس کے سنا دوست نے ہیرے دیکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ بہت قیمتی ہیں۔ وہ واپس بلبو ڈائمنڈ کے تھے اور ڈیزائنرز جیولری معلوم ہوتے تھے یقیناً تیل کو اس کے کسی چاہنے والے نے دیے ہوں گے۔

”اپنی والدہ کے ڈائمنڈز کو میں اٹوٹھی میں جڑوانا چاہتا ہوں۔ دراصل میری شادی ہو رہی ہے۔“ وہ سکرانکے ہنسنے لگا۔ اس کے اندر وہ دونوں ہیرے ایک سونے کے لاکٹ کے ساتھ پڑے دکھائی دیتے تھے۔ لاکٹ پرانا تھا اور ایسا لگتا تھا اندر سے ہیرے ابارے گئے ہیں۔

”میں نے ایک جیولر سے ان کو اتروایا مگر اس نے اٹوٹھی کے جو ڈیزائن دکھائے وہ مجھے پسند نہیں آئے۔ میں اسے آپ کے پاس لے آیا۔“

”شیر سر... آپ کے ذہن میں کوئی ڈیزائن ہے؟“

اس نے فوراً باکس قریب کیا اور فوٹو سیزر سے ایک ہیرا اٹھا کے دیکھا۔ اس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

”میں یہ ڈیزائن چاہ رہا تھا۔ میری محنت کو یہ پسند ہے مگر سر پرانہ دینا ہے تو اس لیے۔“ وہ موبائل پر ایک ڈیزائن دکھانے لگا۔

”آپ کے پاس رسید ہے نا اس کی؟ دراصل سنہ ۱۹۸۰ء کا ہے۔“ فیچر وضاحت دینے لگا۔ بٹا ہر شک کرنے کی جہت تو نہ بنتی تھی مگر وہ مجبور تھا۔

”آف کورس ہے۔“ اس نے جیب سے فوراً کانفرم کال کے دکھائے۔ ”والدہ نے قریباً پانچ برس پہلے یہ لاکٹ ہوا تھا۔ ان کی وفات کے بعد سے ایسی ہی پڑا ہے۔“ اب دورانی رٹائی کہانی سنا رہا تھا۔

”بہت قیمتی ہیرا ہے یہ۔“ فیچر متاثر کن انکھروں سے سمجھ سے کالٹ پلٹ کے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے احتیاط سے دونوں ہیروں کو فٹنی میں ڈالا۔

”میں ان کو چیک کر لوں۔ پھر بتاتا ہوں کہ کیا

کرنا ہے۔“ خوش اخلاقی سے کہتا فیچر ہیروں کو پہلے شوکیس کے سرے تک آیا جہاں نیچے چند میٹینیں رکھی تھیں۔ اس نے مائیکرو اسکوپ کی طرف کی میٹین میں ایک ہیرا رکھا اور آنکھ مقررہ جگہ پر لگا کر اسے ہر کھٹے لگا۔

اسٹور کے قیمتی ہیروں اور سونے کی ہنک سب کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اسے سی کے ٹھکانے پر خنک ماحول میں وہ خود کو بہت آرام دہ محسوس کر رہا تھا جب فیچر واپس اس تک آیا۔

”آپ کے ہیرے بالکل اصلی ہیں۔“ جواب میں آپ کو چند فریش ڈیزائن دکھا دیتے ہوں جو آپ کی خوش قسمت وائف کو بہت پسند آئیں گے۔“ فیچر خوش دلی سے چند کیمرز نکال لایا۔ پھر ایک ایک اٹوٹھی نکال کے دکھائی۔ اپنی چرب زبانی سے وہ ہر اٹوٹھی کے ڈیزائن کی شان میں غلابے مار رہا تھا۔

”سمجھ کچھ دیر ان کو دیکھتا رہا۔ یوں ظاہر کیا جیسے اسے ڈیزائن پسند نہ آ رہے ہوں۔“

”شاید ہیرے بہت بڑے ہیں۔ ان کو کوچے میں چھوٹے ہیرے خرید کے اگر انہیں یوں بنوا دیں تو۔“ وہ ایک ڈیزائن پر انگلی رکھ کے بولا تو فیچر گہری سانس لیتے ہوئے چمچے ہوا۔

”نو پھتس جنتاب۔“ فیچر نے آپ کے چہرے کے ہیرے نہیں خریدنے۔“ جیولر کا لہجہ ایک دم روکھو ہو تو سمجھنے کے چومک کے اسے دیکھا جو سمجھنے کے چمچے کی ہڈی دیکھ رہا تھا۔

”سمجھ ایک دم گھوما۔ کرسی بھی ساتھ ہی گھومی۔“

دکان کے دروازے سے تین پولیس آفیسر داخل ہو رہے تھے۔

”ایک منٹ۔“ میرے ہیرے چوری کے نشان ہیں۔“ اس نے بوکھلا کر فیچر کو پکارا۔ ”آپ نے پولیس کیوں بلائی ہے؟“

”کہانی ابھی گھڑی آپ نے جنتاب۔“ جیولر رکھائی سے کہتا اٹھا اور اسے کیمرہ سینے لگا۔ پولیس والے اس کے گرد گھیرا پٹے گھڑے ہو گئے۔

تو مجھے ہے تھک جاتے ان پریشان دہ کی تھک
 ہوا میں آپ کی کہانی میں آج بھی کیا تھا لیکن
 میں نے بیرون کو چنگ کر لیا۔ جس مندرست آپ نے
 چلی۔ سید زین بنوئی ہیں۔ اس کے پاس۔ یہ جان
 لیکن نہیں ہوتی ورنہ تھک جاتے کہ ان میں وہاں یہ بیزر
 ہانگر چٹن کی کٹی ہے جس میں ان کا سر بیٹھتا ہے۔ کھانا
 ہے۔ یہ آپ کی واحد کٹے نہیں ہیں جناب۔ یہ
 میرے Joyalukkas کے ہلیں سے ہمارے
 گئے ہیں اور یہ ایک سال پہلے ایک سنگاپور میں حادثات
 کے پاس سے چوری کیے گئے تھے اور ان کا شعلیت
 نمبر پولیس نے تمام ڈائمنڈ ڈیلرز کو بھیج رکھا تھا۔ آپ
 کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ ڈیزائنر جیولری جب بھی
 چوری ہوتی ہے، اس کے مالکان اس کا لیٹر انسکر ایڈ
 نمبر پولیس کو دے دیتے ہیں۔ ”وہ ٹھک ٹھک
 انٹرویو کے ڈیوٹ کے ڈھکن بند کر دیا تھا اور سچ
 کے قدموں سے زمین سرک رہی تھی۔
 ”یہ میں نے نہیں چرائے۔ مجھے میری بیوی
 نے دیے تھے۔“

”یہ میرے صرف چوری شدہ نہیں ہیں سسر۔“
 افسر نے اس کے ہاتھ پیچھے لے جا کر اچھتری لگاتے
 کہا۔ ”یہ میرے ایک ٹل کے کیس سے چرائے گئے
 تھے اب تم تھانے چل کے ہمیں یہ بتاؤ گے کہ اس ٹل
 سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“

”اف!“ سچ نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔
 وہ اسے جان بوجھ کے ہاتھ روزنک لائی تھی
 کیونکہ وہاں کیمرے نہیں لگے تھے۔ اس نے جان
 بوجھ کے اس وقت صرف موٹے موٹے ٹاپس وین
 رکھے تھے تاکہ وہ ان کے لالچ میں آجائے۔ اس کا
 دو ڈرنا وہ غصہ کرنا وہ سب۔ سب اداکاری تھا۔ اس
 نے اسے بہت برا پھنسا ہوا تھا۔

اف! اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔

☆☆☆

ملا کہ شہر میں سن باد کا گھر ویسا ہی تھا جیسا وہ
 ہفتہ بھر پہلے رات کو چھوڑ کے گئے تھے۔ وہی سرخ

چوڑی سیٹی کھوال۔ سبق تھک جاتے ہیں۔ اور سی لال
 لٹکوں والا کھن۔ ٹھیکہ بھی ویسے ہی تھا۔ سر ہنر کے
 کھن۔ تھک۔ اس کی چھری آنکھیں شعلیت سے مارتے
 جان و پارت۔ پھرتی تھیں۔

اس وقت ان کو کھن کرتے کٹی گئے ہتھے تھے
 تھکے مجھے کے قریب۔ یہیں آخری پڑتی تھیں اور
 گہری جگہ کھن ہوتی تھی۔ شام ہو چکی تھی اور وہ
 دونوں کٹی سے اسے پڑوں کے ساتھ دستے
 تھکے، بال ہلاٹنگ کیپ سر ڈھانکے، کھن
 پڑے۔ منہ کھن کے سر لگے تھے۔

جب تک کہ یہ جگہ کھن چاہیے تھی۔
 ایڈم سانس لینے کو رکھتا تھا۔ اس کا
 چروٹنی سے ہاتھ کھن پڑے تھی۔ یہ سہو ہے تھک۔
 تالیہ نے کھن کا پھل زمیں میں گاڑا اور اس
 پندوں ہاتھ کھن کے ذریعہ کوستے رکھا۔

”اچھا! اسے کام کرنا تھا۔ ورنہ سارے ہاتھ
 کو اٹھانے کی جانی کہ سہو کھن پڑتی ہے۔“
 ”آؤ! اس کو اب بھی کٹی ہوں گی۔“

”اسی لیے آتے وقت اس پاس رہنا دیا تھا کہ جی
 کرائے دار ہوں اور گھر کی رتی ماڈنگ کر رہی
 ہوں۔ بے فکر ہو۔ کوئی شک نہیں کرے گا۔“ اس
 نے پھر سے کھن کا ڈال اٹھائی اور زمین کھن گئی۔

چھ سو سال نے اس جگہ کو بدل کے رکھ دیا تھا۔
 مجھہ ویسا نہ تھا جیسا اس نے بنایا تھا۔ جگہ جگہ سے وہ
 ٹوڑ ہوا لٹکا تھا گویا بعد میں مرمت کی گئی ہو۔ کھن بھی
 کٹی دفعہ بنایا گیا تھا گھر زمین پرانی تھی۔

جیسے آسمان پرانا تھا۔ جیسے ملا کہ کا بوڑھا سمندر
 پرانا تھا۔

بس ہوا میں cesium کی ملاوٹ تھی۔
 کھن کی ہر ضرب کے ساتھ مٹی نکلتی جا رہی تھی
 اور وہ اپنے مطلوبہ صندوق کے قریب پہنچتے جا رہے
 تھے۔ مٹی پہ نظریں جمائے، کھن اس میں مارتے،
 اس کے ذہن کے پردے پر ایک سرنگی شام اترنے
 لگی۔

جیسے پلٹ کے اسے دیکھا۔

”اور اگر مجھے آپ کے قریب رہنا ہو تو میں کیا کروں؟“

”سرمئی شام ابھی تک روشن تھی اور سن باؤ کا گھر خاموش تھا۔ ایسے میں آدھے بنے مجھے کے ساتھ دو دونوں یوں کھڑے تھے کہ قہقہے گود کود رہا تھا اور دو اسے۔“

”تم کئی دفعہ کہہ چکی ہو کہ تم یہاں سے دور چلی جاؤ گی۔ اسریکہ وغیرہ۔“

”چلی تو میں جاؤں گی۔ اپنی کچھ چیزیں لے کر۔“ اس نے فخر سے جھکا کے مجھے کے قدموں کو دیکھا جہاں زمین پر ابھی گھر منوں مٹی تھے اس کا خزانہ چھپا تھا۔ ”لیکن اگر بھی ارادہ بدل دوں اور آپ کے ساتھ رہنا چاہوں تو کیسے رہوں؟“

”وہ آہستہ سے اس کی طرف گھوما۔ ایسے کہ چتلیاں سیکڑے اس کی بات پہ کچھ سوچنے لگا تھا۔“

”میرے آفس میں جا کر لیٹو۔“

”مگر آپ کو تو میری ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے فوراً جواب دیا۔

”ہاں وہ تو نہیں ہے، لیکن میری زندگی تالیہ،

صرف کام کے گرد گھومتی ہے۔ اگر تمہیں میرے قریب رہنا ہے تو تمہیں میرے آفس میں جا کر رہنا پڑے گی۔“ پھر سے کندھے اچکائے۔ سدا کا بے نیاز اور مطمئن آدمی۔

”آپ کے آفس میں مجھے کون سی جا بٹل سکتی

ہے؟“ پھر پھر کے بولی۔ ”آپ کے آفس میں کون

کی جا بٹل اعلیٰ ترین ہے اور کون سی ادنیٰ ترین؟“

”اعلیٰ ترین تو ممبرز پارلیمنٹ ہوتے ہیں۔“

”وہ تو میں بن نہیں سکتی۔ ادنیٰ ترین کون ہوتے

ہیں؟“

”سب سے ادنیٰ اور معمولی جا بٹل سیکورٹی

ورکرز کی ہوتی ہے مگر نہیں، وہ آفس کے باہر ہوتے

ہیں۔ پھر وہ گیارہ لاکھ والا آدمی۔ انہوں۔ وہ بھی

تارے فلور پہ نہیں ہوتا۔“ وہ ٹھوڑی کھاتے ہوئے

سوچنے لگا۔ ”ہاں۔ سب سے کم تنگوار جا بٹل

لیڈ یا ہائی مین کی ہوتی ہے۔“ اس نے سب سے اعلیٰ

جا بٹل پارلیمنٹ ممبرز کی ہوتی ہے۔“ اس نے سب سے اعلیٰ

اور ادنیٰ کی سب سے ادنیٰ جا بٹل ہوتی ہے۔“ اس نے سب سے

سوشل میڈیا پر کام کرنے والے سب سے اعلیٰ جا بٹل ہوتی ہے۔“

بیزنس کے اصل یہ لوگ کتنے کم ہوتے ہیں۔“

”تو سب سے اعلیٰ جا بٹل کتنے کم ہوتے ہیں

ہے؟“ اس کی آنکھیں پھٹیں۔

”بالکل۔“ پھر اسے دیکھ کے مسکرایا۔ ”میرے ہاتھ

سے وعدہ ہے۔ تم جب بھی مجھ سے جا بٹل مانگتے ہو

گی، میں تمہیں ہر جا بٹل دے سکتا ہوں۔“ اس نے وعدہ کیا

جو اب بھی ہو وہ کتنے کم ہوتے ہیں۔“

”اور اگر شہرت اور طاقت کی چکا چوند میں آپ

اپنا وعدہ بھول گئے تو؟“ اسے دیکھ کر ہنس پڑا۔

”بھول بھی گیا تو تم اتنی قائل ہو کہ کسی بھی

سیاستی جماعت میں بہت جلد میرٹ اور محنت سے

کتنے ممبر بن جاؤ۔“ پھر وہ پھر۔ ”لیکن یہ جو وعدہ

راہبہ شین کی کو آج مجھے کئے تھے۔“ اس نے تھوڑے تھوڑے

ابراہیم سے اٹھتے ہوئے۔

”راہبہ شین کون ہیں؟“

”مردی بادشاہ کوئٹہ کا سلطان سرتو۔ ویسے تو وہ

کوئٹہ کے پیر ہیں اور یوشی الیگزینڈر کا سوتیلے اور

مادر تھا، لیکن بادشاہ کا اصل ہمراز اور مشیر بھی تھا۔

بادشاہ ہر فیصلہ اپنے اسی رومانی خدو سے پوچھ کے

کرتا تھا۔ الیگزینڈر را اور راہبہ شین، ان دونوں کے

غلط مشوروں سے کوئٹہ کو نقصان پہنچا تھا۔ دونوں

سے عوام شدید نفرت کرتے تھے۔ آخر میں راہبہ شین

کو ایک دوسرے شہزادے نے دعوت کے پرانے گھر

بلا کے قتل کر دیا تھا۔“

الفاظ کی سنجیدگی نے سرخ گن کو اس کو روکا۔

”عوام سلطان سازوں سے اتنی نفرت کیوں

کرتے ہیں؟“

”کیونکہ وہ اپنے لیڈر کو اپنے علاوہ کسی کی

خواہش پہ چلنا نہیں دیکھ سکتے۔ آزاد لیڈر کسی سلطان

تالیا کا ہاتھ اٹھکا۔ یہ شکاف کیوں ہے؟
 مگر کس۔۔۔ اس نے سارے داہنوں کو ذہن
 سے جھٹکا اور پتھلیوں سے مٹی ہٹانے لگی۔۔۔ ان
 دونوں کی زبانیں ساکت تھیں اور ہاتھ تیز تیز کام کر
 رہے تھے۔

سیاں تک کہ صندوق کی ساری مٹی انہوں نے
 باہر نکال دی۔۔۔۔۔

اور۔۔۔ دو صندوق خالی تھا۔ خزانہ وہاں نہیں تھا۔
 تالیا کا مٹی سے اچھڑا ساکت ہو گیا۔ ایڈم بھی
 شل رہ گیا۔

دو مٹن اٹا پکا اور قدیم تھا کہ یوں لگتا تھا، برسوں
 سے کسی نے ایک اینٹ بھی نہیں ہلائی تھی۔ مجسمہ بھی
 اپنی جگہ پہ موجود تھا۔ تو پھر خزانہ کہاں گیا؟

صندوق اٹا مضبوطی سے فٹ کیا گیا تھا کہ
 خزانہ نکالنے والے نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا اور
 صرف اس کے ڈھکن میں شکاف کر کے ساری
 چیزیں نکال لی تھیں۔ مگر کس نے اور کب؟

”یہ نہیں ہو سکتا۔ جے تالیا بڑا نامکن ہے!“

اب حالت یہ تھی کہ مٹن کے درمیان میں گڑھا
 کھدایا ہوا تھا اور اس کے وہانے پہ دو دونوں مٹی مٹی
 ہوئے پھر لٹکائے بیٹھے تھے۔

”ہمارا خزانہ کہاں گیا ایڈم؟“ دو سرگوشی میں
 بولی۔ ششدر نظریں ہونے ہوئے صندوق پہ جمی تھیں۔
 ”کسی نے ہم سے پہلے خزانہ نکال لیا ہے۔ مگر
 کس نے؟“

”کب ہمیں حکومت کا انعام نہیں ملے گا۔“
 ”اور میری شادی کے پیسے بھی اکٹھے نہیں ہو
 پائیں گے۔“

”یعنی ہم دیں پہ آگئے ہیں جہاں سے شروع
 ہوئے تھے۔ ہمارا خزانہ چوری ہو گیا ہے۔“ وہ کھوئی
 کھوئی سی بولی۔ ”اور ہم پھر خالی ہاتھ ہیں۔“

دو دونوں کئی سی دیر وہاں بیٹھے رہے۔ شل۔
 ماذف دماغ لپے۔ سب کچھ جیسے تم ہو گیا تھا۔
 ”ہم نے کیوں سوچ لیا تھا ہے تالیا کہ چھ سو سال

گزرنے کے بعد بھی خزانہ اپنی جگہ پہ موجود ہوگا۔“
 دو ابھی تک بنا پلٹیں جھٹکے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔
 ”پانچ سو ستاون سال ایڈم۔“

اور ان دونوں میں سے کوئی نہ ہنسا۔ وہ چپ
 چاپ گم مسم سے بیٹھے رہے۔

سن باؤ ڈانگ لی کا مجسمہ اپنی پتھر لی آنکھوں
 میں صدیوں پرانے راز چھپائے خاموشی سے دراخت
 کو دیکھتا رہا۔

صرف وہی جانتا تھا کہ خزانہ کس نے نکالا تھا۔
 مگر بند لہارا کی بیٹی نے اس کا پتھر بڑا چہرہ
 بناتے وقت اندر زبان۔ نہیں رکھی تھی جس کو بڑا کے
 دو انہیں حقیقت بتا سکتا۔

اسی کی صرف آنکھیں تھیں جن میں سارے صدق
 پتھر ہو چکے تھے۔

ہی۔ ہی۔ ہی۔

سوموار کی صبح کے ایل کے پتھروں میں کام
 شروع ہو چکا تھا۔ منڈے بارنگ کسی کو پسند نہیں
 تھی مگر جہانگیر کے روکے اتوار کے ہنگاموں کو
 بھانسنے کی سنی کرتے مازم کام میں لگے تھے۔ پتھر
 ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے اس قہر پہ بار۔ سن پتھر کا پتھر بھی
 معمول کی مصروفیات کا شکار دکھائی دیتا تھا۔

دان قلع کے آفس کے سامنے بڑے چھوٹے
 سے سٹک ایریا میں تالیا مریوٹی پتھر آتی تھی۔ باہوں
 کا جوڑا ہٹائے، دو بجوری اسٹ بڑا ڈزپ سٹیک کٹ
 پہنے کوئی ایئر کیوگ۔ رہی تھی۔

وہ ابھی ابھی آگے بڑھی تھی اور اسے دیکھتے ہی
 قلع کا سیکرٹری حرمین فوراً اُپڑا آیا تھا۔

”سیم آپ تھوڑا سا انتظار کریں۔ میں قلع
 صاحب سے آپ کے پاس کھلے میز کا پوچھ کے آ رہی
 ہوں۔“ وہ ششلی سے بڑا قہر پہ نے بے نیوٹری
 سے گردن ہڈی اور ہر اور جیسے کر۔

حرمین چڑھ گیا تو اس کا فون بج۔ اس نے سر ہٹ
 نکال کے اسکرین روشن کر۔
 ”میں نے ساری جگہ کھود کے دیکھا لی کہ شہید

یہ کہیں کو چھوڑا دیا۔ اور سب سے پہلے اس نے عمر سے بڑھ کر۔
 "تم آپ نے ان کو اپنی ترین مہم دیتے ہو؟"

"نہیں میں نے وہ جواب دینے کا بہت حقیر ہوں۔
 لیکن دیکھتی ہے، تمہیں اس مہم سے کتنا دلچسپی ہے۔
 یہ کہ وہ دن چھٹی کی صبح تھا۔ اس دن میرے ہاتھ کے
 لیے یہ دن اول تو اس چاہ کو اپنی توہین سمجھ کے
 اپنے سے انکار کرتے کیا اور اس کو قبول کرنا تب بھی
 انہیں دینا ہے مجھے یہ اشیاء نہیں کر پائے گی۔ ہرگز کے
 چند سالہ بچے والے قاتل کے ساتھ رشتہ آسان نہیں
 ہوتا۔ ہو گیا سسٹل؟" عثمان؟ "اب مجھے کام کرنے دو۔"
 اس نے سرد انداز میں کہتے ہوئے جیکب انگلیوں
 اور اسے آنکھوں پر جھاتے ہوئے قاتل کو قبول کر لیا۔
 آستینیں موڑے کبھی اس میز پر جھاتے اب وہ قاتل
 کے مطالعے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"محبوب اللہ کی جگہ جاؤ؟" عثمان حق و قرعہ گیا۔
 "سر! شاعر صاحب بہت خفا ہوں گے۔"
 "یہ تو اور بھی اچھا ہو گا۔" ساتھ ہی دو انگلیوں
 سے اسے نکل جانے کا اشارہ کیا۔

عثمان کے کان سننا اٹھے۔ ٹائی کی ٹاٹ کسی
 تھوک ٹھکا اور ہمت جمع کرتے ہوئے وہ دروازے کا
 طرف بڑھا۔

اب اسے باہر جا کے بچے تالیہ کو یہ بتانا تھا کہ
 اس کے پاس نے اسے آفس کا سب سے ادنیٰ ترین
 عہدہ دیا تھا۔

ایسے تالیہ مراد کو بتانا تھا کہ... آج سے...
 وان فارح بن راسزل کی باڈی و دمن ہوگی۔

اس نے خواب میں دیکھا کہ
 سڑک پہ ٹریفک تیز رفتاری سے گزر رہا ہے۔
 زیر اگر اسنگ عبور کرتے لوگوں کی دائیں
 بائیں مڑنی کر دینیں....
 ڈرائیو کرتے لوگوں کے کانوں سے لگے ہینڈز

یہ کہیں کو چھوڑا دیا۔ اور سب سے پہلے اس نے عمر سے بڑھ کر۔
 "تم آپ نے ان کو اپنی ترین مہم دیتے ہو؟"

"نہیں میں نے وہ جواب دینے کا بہت حقیر ہوں۔
 لیکن دیکھتی ہے، تمہیں اس مہم سے کتنا دلچسپی ہے۔
 یہ کہ وہ دن چھٹی کی صبح تھا۔ اس دن میرے ہاتھ کے
 لیے یہ دن اول تو اس چاہ کو اپنی توہین سمجھ کے
 اپنے سے انکار کرتے کیا اور اس کو قبول کرنا تب بھی
 انہیں دینا ہے مجھے یہ اشیاء نہیں کر پائے گی۔ ہرگز کے
 چند سالہ بچے والے قاتل کے ساتھ رشتہ آسان نہیں
 ہوتا۔ ہو گیا سسٹل؟" عثمان؟ "اب مجھے کام کرنے دو۔"
 اس نے سرد انداز میں کہتے ہوئے جیکب انگلیوں
 اور اسے آنکھوں پر جھاتے ہوئے قاتل کو قبول کر لیا۔
 آستینیں موڑے کبھی اس میز پر جھاتے اب وہ قاتل
 کے مطالعے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"محبوب اللہ کی جگہ جاؤ؟" عثمان حق و قرعہ گیا۔
 "سر! شاعر صاحب بہت خفا ہوں گے۔"
 "یہ تو اور بھی اچھا ہو گا۔" ساتھ ہی دو انگلیوں
 سے اسے نکل جانے کا اشارہ کیا۔

عثمان کے کان سننا اٹھے۔ ٹائی کی ٹاٹ کسی
 تھوک ٹھکا اور ہمت جمع کرتے ہوئے وہ دروازے کا
 طرف بڑھا۔

اب اسے باہر جا کے بچے تالیہ کو یہ بتانا تھا کہ
 اس کے پاس نے اسے آفس کا سب سے ادنیٰ ترین
 عہدہ دیا تھا۔

ایسے تالیہ مراد کو بتانا تھا کہ... آج سے...
 وان فارح بن راسزل کی باڈی و دمن ہوگی۔

اس نے خواب میں دیکھا کہ
 سڑک پہ ٹریفک تیز رفتاری سے گزر رہا ہے۔
 زیر اگر اسنگ عبور کرتے لوگوں کی دائیں
 بائیں مڑنی کر دینیں....
 ڈرائیو کرتے لوگوں کے کانوں سے لگے ہینڈز

"محبوب اللہ کی جگہ جاؤ؟" عثمان حق و قرعہ گیا۔
 "سر! شاعر صاحب بہت خفا ہوں گے۔"
 "یہ تو اور بھی اچھا ہو گا۔" ساتھ ہی دو انگلیوں
 سے اسے نکل جانے کا اشارہ کیا۔

فری اور ان کے ہلنے لب....

سڑک کنارے اخبار کھولے بیٹھے سمر لوگ....

غراب روز روشن کی طرح واضح تھا۔

ایسے میں وہ سڑک عبور کرتی ہے

اور اندر ایک گلی کی طرف مڑ جاتی ہے۔

پھر تین سوڑ مزید مڑتی ہے....

گلی آگے جا کے تنگ ہونے لگتی ہے....

اس کی دیواریں نیلی اینٹوں کی بنی ہیں....

وہ قدم بڑھاتے ہوئے اینٹوں پہ ہاتھ بھیر

رہی ہے....

کھس ٹوٹا کالج اس کے پوروں سے ٹکراتا ہے

.... کھس کوڑے دان کے کھلے ہانے کے اندر فوٹ

ہوا گھلا رکھا نظر آتا ہے....

اس گلی میں تین فیروزی پھول کھلے ہیں....

دہاں تھار میں دروازے ہیں۔ چھوٹے

چھوٹے مکانوں کے....

وہ حراب سے ایک کے سامنے رکھی ہے....

اور دستک دینے کو ہاتھ بڑھاتی ہے....

تو دروازہ خود بخود کھلتا چلا جاتا ہے....

وہ اندر قدم رکھتی ہے۔ نیم تاریک راہداری

میں آگے چلتی جاتی ہے۔

جب محبت سے مردانہ آواز آتی ہے....

”شیراوی باش!“

دو چونک کے گھومتی ہے۔

اور یہاں خواب ٹوٹنے سے پہلے اسے دھندلا

سایک وجود نظر آتا ہے۔

بجورے لیے بانوں والا مرد جس کی دھندلی

پڑتی آنکھیں گینوں کی طرح چمک رہی ہیں....

☆ ☆ ☆

چند لمحے کے لیے قدیم ملا کہ اس شام میں

واپس جاتے ہیں جب مراد لبہ کے سامنے بیٹھے غلام

قائم نے وہ بے رنگ بے ذائقہ شروب پی کے چابی

کی زنجیر کو گردن میں ڈال لیا تھا۔

دونوں آنے سامنے بیٹھے تھے اور ان کے

درمیان میز کے ساتھ ساتھ خاموشی بھی حاوی تھی۔

پھر قایم نے کھٹکھٹاتے ہوئے اس خاموشی کو توڑا۔

”دروازہ کھولنے کے کتنی دیر بعد چابی ٹوٹے

کی؟“

”دروازہ کھلتے ہی یہ ہر گزرتے پل بیماری

ہوتی جائے گی یہاں تک کہ تم اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکو

گے۔ اور آخر کار تم اس کو گردن سے فوج چھینو گے۔“

”تقریباً کتنی دیر بعد؟“ اس نے زہر لیا۔ ”کتنا

وقت ہوگا میرے پاس؟“

”تقریباً ایک پوری رات۔ اس سے زیادہ

نہیں۔ کیوں؟ تم اس ایک رات میں کیا کرنا چاہتے

ہو؟“ مراد نے غور سے اسے دیکھا۔

”ایک رات تو بہت طویل عرصہ ہے رجب۔

یہاں تو ایک لمحے میں دنیا بدل جاتی ہے۔ زمانہ پلٹ

جاتا ہے۔ میں نے کہا تھا تم مجھے نہیں جانتے۔ اور۔“

نکری دھکیل کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے تاثرات

پتھر جیسے بوزے تھے۔

”مراد مجھے مضبوط ہے کہ میں یہ کیوں کر رہا

”کیوں کر رہے ہو؟“ مراد لبہ نے گردن اٹھا

کے استہزاء سے اسے دیکھا۔

”کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر جاو کا توڑ ہوتا

ہے۔ یادداشت کا خود بخود مستغنی نہیں ہوگا۔ اس کا

کوئی حل بھی ہوگا۔“

مراد لبہ نے لمحے بھر کو تنگ رہ گیا۔ گردن میں

تھوک نچکنے سے گھٹی سی انجیر کے معدوم ہوئی۔

”تمہاری یادداشت واپس نہیں آئے گی غلام

قایم۔“

قایم جو لبہ طر سے مسکرایا۔

”غلط۔ تالیہ کی یادداشت ٹکڑوں کی صورت

میں واپس آئی تھی۔ اسے قدیم ملا کہ میں اپنے بھین

کے کچھ حصے یاد ہیں۔ مجھے بھی قدیم ماکہ میں گزرے یہ چار ماہ یاد آجائیں گے مگر سوال یہ ہے کہ کیسے؟

مراد راجہ کے ماتھے پر تل پڑا ہے۔

”تم سمجھتے ہو کہ یہ آسان ہے؟“

”وان فاتح نے زندگی میں آسان کام کبھی نہیں کئے کیونکہ وہ سب کر لیتے ہیں۔ تم مجھے بتاؤ وہ کیا مشکل کام ہے جسے میں کروں تو میری یادداشت واپس آجائے گی؟“

راجہ چند لمحوں کے لیے بیچنے سے کھورتا رہا۔

”میں تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا۔“

”تمہارے یادے میں تاریخ کی کتابوں میں ایک حکایت پڑھی تھی میں نے۔“ فاتح نے ہتھیلیاں میز پر رکھیں اور جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”ایک لڑائی کے دوران تمہارے مد مقابل شخص کا تلوار والا ہاتھ کٹ گیا۔ ہاتھ بھی گیا اور تلوار بھی۔ تو تم نے اپنی تلوار پھینک دی اور اپنا ایک ہاتھ کمر کے پیچھے کر کے منبے وہ لڑائی لڑی اور اسے مار گرایا۔ یہ غیرت مند مردوں کا طریقہ ہوتا ہے راجہ! وہ مقابلہ برابری کی سطح پر کرتے ہیں۔ مجھے نہتا کر کے ہرانے میں کیا مزا ہے؟“ وہ غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ”یا شاید تمہیں ڈر ہے کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا؟“

”تم کچھ بھی کر لو۔ میری بیٹی میرے پاس واپس ضرور آئے گی۔“

وہ تیزی سے بولا پھر خاموش ہو گیا۔

”تم کہہ کے تو دیکھو۔“

مراد راجہ چند لمحوں کے لیے اس کی آنکھوں کی ہٹ دھری دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھری۔

”ہم شکار باز صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔ ہم زمانوں کے مسافر ہیں۔ وقت میں سفر کرتے ہیں۔ ہر زمانے میں شکار بازوں کا ایک راہبر ہوتا ہے۔ ان کا سر بڑا۔ تمہاری یادیں اگر کوئی لوٹا سکتا

نہاں وہ وہی ہے۔“

”اور وہ کون ہے؟“

”وہی جو تمہارے سامنے بیٹھا ہے۔ وہ وہی ہے۔ کبھی تمہاری یادیں اس کو لے گئیں۔ وہ وہی ہے۔ میں تم سے ہوا۔“ لیکن شاید تمہاری یادیں اس کو لے گئیں۔ تم پر رحم کھا لے۔“

”ہماری دنیا کا شکار باز؟ وہ وہی ہے۔ اچھے پڑ گئے۔ آہستہ سے سیدھا ہوا۔“ تو وہی شکار باز نہیں ہوں گے۔ وہ نسل در نسل اپنے علم کو منتقل کرتے جائیں گے اور ہر زمانے میں موجود رہیں گے۔“

”ہم زمانے کے مسافر ہیں۔ ہم بھی ختم نہیں ہوں گے۔“ وہ قفاخر سے مسکرایا۔ ”تمہارے پاس ایک رات ہوگی وان فاتح۔ تمہیں اپنا دنیا کے شکار باز راہبر سے ملنا ہوگا۔ وہ تم سے تین سوال پوچھے گا۔ اگر تم ان کا جواب دے سکو تو تمہارے لیے امید نکل سکتی ہے۔“

”کیسے سوال؟“

مراد راجہ نے لباس شانوں سے جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ہاتھ کمر پر باندھ لیے۔

”معلوم نہیں۔ ہر زمانے کے اصول اور سوال مختلف ہوتے ہیں۔ وقت کا چکر مکمل ہونے پر جب بھی چابی تحلیل ہوتی ہے وہ شکار باز راہبر کے پاس چلی جاتی ہے۔ تاہم جب بچپن میں تمہاری دنیا میں گئی تھی تو وقت کا چکر مکمل نہیں ہوا تھا اس لیے وہ چابی ٹوٹ گئی اور کئی برس تحلیل نہ ہوئی۔ تم نے میری دنیا میں آتے وقت دروازہ کھول ڈالا جس سے چابی تحلیل ہوتے ہی میرے پاس تو آ گئی لیکن وہ ناکارہ ہو چکی تھی کیونکہ تم نے وقت کا چکر خراب کر دیا ہے۔“ وہ سانس لینے کو رکھا۔ فاتح غور سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

”اب جو چابی میں تمہیں دے رہا ہوں یہ تحلیل ہوتے ہی تمہارے زمانے کے شکار باز کے پاس چلی جائے گی۔ اس چابی میں تمہاری یادیں نہ

”کون؟“

”وقت کا مسافر ہوں اور اپنی یاویں واپس
جاتے آیا ہوں۔“

دوسری طرف جہاں موٹی چھا گئی۔ پھر آہستہ سے
دروازہ کھلا۔ وہاں قانع نے چہرہ اٹھایا تو اپنے سامنے
چو کھٹ پہ ایک اور جڑ عمر آدمی کو کھڑے پایا۔ اس نے
گرتے پا جاے کے اور باغ کے گرد کپڑا باندھ رکھا
تھا اور سر پہ جینا کپ بھیسی ٹوٹی تھی یہ ٹھوڑی پہ بھی
سی ڈاڑھی بھی تھی۔ آنکھیں سیکڑ کے قانع کو دیکھا اور
مسکرایا۔

”خوش آمدید۔“ پھر راستہ چھوڑ دیا۔

اس نے جوتے چو کھٹ پہ اتارے اور اندر
داخل ہوا۔ وہ آدمی آگے بڑھتا گیا۔ صاف ستھری
چھوٹی سی راہداری عبور کر کے ایک دیوان خانے میں
اسے لے آیا جہاں فرش نشست چھٹی تھی۔ دیوار پہ
فیلٹ بنے تھے جن کے خانوں میں کاغذ کی بہت سی
بوٹیں رکھی تھیں۔ اگر جی اور خوشبودار موسمیوں نے
فضا کو محض کر رکھا تھا۔

وہ دونوں آنے سامنے چٹائی پہ دو زانو ہو کے
بیٹھ گئے تو اس آدمی نے غور سے قانع کو دیکھا۔

”وقت کے مسافر ہو؟“

”اچھی خوشی سے نہیں گیا تھا۔“ وہ سنجیدگی سے
بولے۔ ”نقطی سے دروازہ باز کیا تھا۔ صبح اس چابی کے
تھیل ہوتے ہی قدیم ملاکہ میں گزرے پل بھول
جاؤں گا۔“

”یاد رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“ وہ نرمی
سے مسکرایا۔

”میں فرار ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔
جو کیا ہے اس کو یاد رکھ کے اس کا سامنا کرنے والوں
میں سے ہوں۔ مجھے بتائیے میں کیا کروں جو اس
جادو کا توڑ ہو سکے اور صبح پہری یادداشت نہ کھوئے۔“
اس آدمی کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں قانع کی
گردن میں پڑی زنجیر پہ جچی تھیں۔

”یادداشت تو کھو جائے گی لیکن ایک صورت

ہے۔ اگر تم اس راہبر کو ڈھونڈنا چاہتے ہو تو تمہیں
پہلیں اس کارستہ خود کو کھانے کی سب میں نے تمہیں
سب سے پہلے سب ہم اس مقابلے میں برآمد ہیں۔
تو ہماری یادداشت واپس آئے یا نہ آئے میری
یادداشت ضرور آئے گی۔“

”دیکھتے ہیں۔“ وہ سر دلچھے میں بولا تھا۔

ہلہ ہلہ

سولہ جولائی کی رات تالیہ اور ایم کے ایل کے
لیے نکل پڑے تو دو پولیس انسپشن چلا آیا۔ اپنا بیان
ریکارڈ کرو لیا مگر یہاں سے دو گھر نکس گیا۔ اس نے
گروں میں پڑی چابی کو ہاتھ میں اٹھا کے دیکھا۔

”مجھے اپنے وقت کے شکار باز سے ملتا ہے۔
مجھے اس کے پاس لے چلو۔“

چابی سے سنہری سا پتھ ٹکڑا اور فضا میں اڑنے
لگا۔ قانع نے گاڑی وہیں چھوڑی اور اس سنہری پتھ
کے پیچھے قدم۔ قدم چلتے لگا۔ اس پتھ کو اس کے سوا
کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ہوا میں تیرتا پر صرف قانع
کو راستہ دکھانے کے لیے تھا۔

وہ جی ٹی دیرویران سڑکوں پہ چلتا رہا۔ چابی ہر
گزرتے پل کے ساتھ بھاری ہوتی جا رہی تھی مگر وہ
اس وزن کو برداشت کیے ہوئے تھا۔ پتھ اڑتا چلا جا
رہا تھا۔

ملاکہ کے ایک صحبان آباد علاقے میں وہ اسے
کھینچ لایا۔ وہاں قطار میں ایک منزلہ گھر بنے تھے جن
کی خروچی چھین تھیں اور دیواریں سرنگی نیلی اینٹوں
کی بنی تھیں۔ وہ درمیانے درجے کا علاقہ تھا اور
رات کے اس وقت سنان پڑا تھا۔

پتھ ایک دروازے کے پائیدان پہ جا کر اور ہوا
میں تحلیل ہو گیا۔ منزل آچکی تھی۔

وہاں قانع نے کھلی سے دستک دی۔ پھر گھنٹی
بجائی۔

دھاتہ دھاتہ کی چاب سنائی دی اور پھر کسی نے
درازے کے پیچھے سے سوال کیا۔

ہے اس کے واپس آپنے کی۔“

”ہٹا ہے۔“ وہ محل سے بولا۔ گردن میں پڑی زنجیر بھاری ہو رہی تھی۔

”اگر تم وقت کے تین سوالوں کا جواب پالو تو تمہاری یادیں وقت تمہیں خود لوٹا دے گا۔“

”پوچھیے۔ وہ تین سوال کیا ہیں۔“

شکار بازی کی نظریں زنجیر سے اٹھ کے اس کے چہرے پر جا رکیں۔

”تو پھر بتاؤ۔ پہلا سوال، کوئی کام شروع کرنے کے لیے سب سے اہم وقت کون سا ہے؟

دوسرا سوال۔ انسان کی زندگی کا سب سے اہم کام کون سا ہوتا ہے؟

تیسرا سوال انسان کی زندگی میں سب سے اہم شخص کون ہونا چاہیے؟“

چند ثانیے کے لیے اس دیوان خانے میں خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ دونوں نے ہلکے سے ہنسی کی۔

”اور اگر میں کہوں کہ مجھے ان تینوں سوالوں کے جواب معلوم ہیں تو؟“

”تو میں یہ کہوں گا کہ اکثر کہتے ہیں لیکن ان کا جواب دینا کافی نہیں ہے۔ تمہیں ان کا جواب

”پانا“ پڑے گا۔ کل جب تمہاری یادداشت کھو جائے گی تو تمہارا امتحان شروع ہوگا۔ جس دن تم ان

جوابات کا، دل کے اطمینان سے اقرار کر لو گے تو وقت تمہیں تمہاری یادداشت لوٹا دے گا۔ لیکن ایک

شرط ہے۔“

”کیسے۔“ وہ بدقت بولا۔ چابی بھاری ہو رہی تھی۔ شاید وہ دیکھنے بھی لگی تھی کیونکہ اسے گردن پہ گرمانش محسوس ہو رہی تھی۔

”تم کسی سے بالواسطہ مدد نہیں مانگ سکتے۔ تم اپنے لیے کوئی تحریر یا اشارہ چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔ تم

اس امتحان میں نفل کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تم ان سوالوں کے بارے میں کسی کو بالواسطہ کچھ نہیں بتا

سکتے ورنہ تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ تمہیں ان کا

جواب فطری طریقے سے خود حاصل کرنا ہوگا۔“

”اگر کوئی اپنے طور پر میری مدد کرنا چاہے تو؟“

”تم ان تین سوالوں کے بارے میں کسی کو بتا سکتے ہو لیکن اس سے مدد نہیں مانگ سکتے اس کے علاوہ جو کہو اس کے لیے تم آزاد ہو۔ کوئی خود سے

تمہاری مدد کرنے وہ اس کے لیے آزاد ہے۔“

ادویز عمر آدی دھیرے دھیرے کھڑا ہوا۔

”یہ سوال تم سے کل کے بعد اگر کوئی زبانی کلامی پوچھ بھی لے تو بھی ان کا جواب دینا درکار نہیں۔ تمہیں اپنے عمل سے ان کا جواب خود کو دینا

ہوگا۔ جس دن تمہاری زندگی میں یہ جوابات شامل ہو جائیں گے تمہاری یادیں میں تمہیں لوٹا دوں گا۔“

رات چھلکتی جا رہی تھی اور شکار بازی کی آواز بھی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بڑھتے ہوئے بوجھ کے ساتھ کھڑا رہا تھا۔

”یعنی میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔“

”شہزادی تاشہ کو؟ ہرگز نہیں۔ اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو آخری سوال کا جواب کیسے دھڑپاؤ گے۔“

”آپ اسے جانتے ہیں؟“ فاتح نے اہل انٹھائی۔ پراسرار آدی مسکرایا اور شلیف کی طرف اشارہ کیا جہاں کالج کی خفیہ صراحیاں رکھی تھیں۔

”ان میں سے تیسرے نمبر والی میں تاج کی یادداشتیں ہیں۔ اس کو ایک سوال کا جواب مل گیا تھا

اس لیے کچھ یادیں واپس چلی گئیں۔ تم دیکھ سکتے ہو کہ یہ بھری ہوئی نہیں ہے۔ اور وہ جو خالی صراحی ہے وہ تمہاری ہے۔ صبح یہ بھر جائے گی۔“

فاتح نے کپٹی کو چھوا۔ چابی کا وزن بڑھتا جا رہا تھا۔

”اگر اسے میرے ساتھ رہنا ہے تو اسے ایک بات کا علم ہونا ضروری ہے۔“ فاتح نے قریبی بیڑے

دھرا قلم کاغذ اٹھایا اور صفحے پہ چند ہندسے لکھے۔

”وہ میرے قدموں کے نشانات کا پچھا کرے یہاں ضرور آئے گی۔ جب وہ آئے تو اس کو

بندے دے دیجیے گا۔“ صفی پھاڑ کے اس کی طرف
 ہمارا۔ شکار باز نے اس کا غد کو تہ کیا اور جیب میں
 رکھا۔
 ”درست وقت اور درست جگہ پر میں اسے یہ
 پہنچاؤں گا۔ اب تمہیں جانا چاہیے۔“
 دان فارخ نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور
 اللہ کھڑا ہوا۔
 ”مجھے واقعی جانا چاہیے۔ ایک ادھوری ای میل
 کو مکمل کرنا ہے مجھے۔“
 واپسی کا راستہ طویل تھا مگر کٹ گیا۔ جیب میں
 کچھ سکے تھے جن سے اس نے رک کے ایک فون
 بوتھ سے عثمان کو کال کی اور ایک رقم ایڈم کے اکاؤنٹ
 میں ڈلوانے کو کہا۔ ساتھ ہی اپنے لیے نئے موبائل کا
 بندوبست کرنے کا حکم دیا۔
 واپس گھر آ کر اس نے ای میل کی آخری سطور
 مٹائیں اور اسے دوبارہ سے لکھا۔ پھر ایڈم کو ایک ای
 میل الگ سے لکھی۔ وہ جانتا تھا کہ تالیہ کو ان پیسوں
 سے ایڈم چاہیٹیں اور کو کو بچل بھیجا کرے۔
 وہ سب کچھ بھول بھی جائے تو بھی تالیہ نہ
 بھولے کہ وہ دونوں ابھی تک مکمل طور پہ وقت کی
 غلامی سے آزاد نہیں ہوئے تھے۔
 ☆☆☆
 واپس جالیہ دن میں آتے ہیں۔
 دان فارخ کے آفس کے باہر سیکرٹری کا کیمین
 تھا۔ اس کے آگے چھوٹا سا لائونج بنا تھا۔ لائونج کے
 صوفے پہ براجمان تالیہ اس کیمین کے ساتھ کھڑے
 سرگوشیوں میں بات کرتے عثمان (سیکرٹری) اور
 عبداللہ (باڈی مین) کو صاف دیکھ سکتی تھی۔
 عثمان اب دونوں ہاتھ اٹھا کے تسلی دینے والے
 انداز میں اسے کچھ سمجھا رہا تھا۔ عبداللہ کا چہرہ بچھ گیا۔
 سر اثبات میں ہلایا۔ شکوہ کتنا انداز میں تالیہ کی
 طرف دیکھ کے کچھ کہہ بھی ڈالا۔ عثمان اس کے
 کندھے کو چھتا مڑا ہائی کی ناٹ درست کی اور
 چہرے پہ مسکراہٹ سجائے تالیہ کی طرف آیا۔

”بے تالیہ۔“ خوشامدی انداز میں کہتا اس کے
 قریب صوفے پہ بیٹھا۔
 وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی ناقدانہ انداز
 میں اسے دیکھنے لگی۔
 ”کیا مجھے جاب دینے سے انکار کر دیا ہے فارخ
 صاحب نے؟“
 ”نہیں نہیں۔ اصل میں... ابھی کوئی دیکھنی
 خالی نہیں تھی لیکن عبداللہ کچھ دن سے چھٹی مانگ رہا
 تھا تو کیوں نہ کچھ دن آپ عبداللہ کی جگہ پہ کام کر
 لیں۔“
 تالیہ نے ٹانگ دوسری ٹانگ سے ہٹائی اور
 سیدھی ہوئی۔ تاثرات بدلے۔ ”باڈی وومن کی
 جاب؟“
 ”بس کچھ دن کے لیے... عبداللہ جیسے ہی
 واپس...“
 ”عبداللہ ابھی تو چھٹی سے واپس آیا تھا۔ غائب
 آپ اسے چند دن کے لیے چھٹی پہ بھیج رہے ہیں
 کیونکہ باس کو لگتا ہے کہ (بندہ دروازے کو دیکھا) ہے
 تالیہ چند دن سے زیادہ نہیں نکلتی گی۔“
 ”ہرگز نہیں میم...“ عثمان شرمندہ ہوا۔ تالیہ
 نے ماتھے پہ ہل ڈالے، ہنکارا بھرا۔
 ”خیر... آپ باس کو جا کے بتائیں کہ تالیہ مراد کو
 یہ جاب منظور ہے۔ کب سے کام شروع کروں؟“ وہ
 ایک دم طنز اسکرا کے بولی۔
 عثمان کو شاید توقع نہ تھی۔ لمبے بھر کو چپ ہو گیا۔
 پھر مسکراہٹ لیوں پہ واپس لے آیا۔
 ”کل سے۔ آج آپ پورا دن خود کو ڈھنی طور پہ
 تیار کر لیں۔“
 وہ اٹھنے لگا تو وہ بولی۔ ”وہے مجھے کیا کرنا ہوگا؟
 کیا دان فارخ کی حفاظت کرنی ہوگی؟“
 ”وہ تو باڈی کارڈز کا کام ہے۔“ عثمان جھینپ
 کے ہنسا۔ ”یہ باڈی وومن کی جاب ہے۔ ہر سیاست
 دان کے ساتھ ایک سیکرٹری اور چند کارڈز ہوتے ہی
 ہیں مگر ایک پرسنل ایڈ بھی ہوتا ہے جو باڈی مین کہلاتا

ہے۔ وہ بالکل بھی ہاڈی کارڈ جیسا نہیں ہوتا۔
 ”اور اس کا کام کیا ہوتا ہے؟“ وہ گردن اٹھا
 کے سامنے کھڑے عثمان سے پوچھ رہی تھی۔
 ”ہاس کے کھانے پینے اور کپڑوں کا خیال
 رکھنا۔ چیزیں پکڑانا، کوٹ، داغ لگا ہے تو اسے
 صاف کرنا۔ ان کی صحت کا خیال رکھنا۔ کام کی زیادتی
 ہاس کو اپنا آپ بھلا دیتی ہے تو آپ ان کو ازنی بارز
 اور کافی لاکے دیتی رہیں گی۔ دو کار سے ٹکلیں تو ان
 کے ہاتھ سے خالی کپ لے لیں وغیرہ وغیرہ۔“
 ”چندر ہویں صدی کے ملاکہ میں یہ کام غلام کیا
 کرتے تھے۔ وان قارح مجھے غلام بنانا چاہتے ہیں؟“
 وہ اداسی سے مسکرائی۔

”نہیں بچے تالیہ۔ یہ جاب بہت قابل مہر و سا
 لوگوں کو دی جاتی ہے۔“
 عثمان کے جانے کے بعد وہ انھی اور کرسی پہ
 خاموش بیٹھے عبداللہ کی طرف آئی۔
 ”میں امید کرتی ہوں آپ کو مجھ پہ غصہ نہیں آ
 رہا ہوگا کیونکہ ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے آپ کی
 جاب لے لی۔“ وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی تو
 وہ جلدی سے کھڑا ہوا۔

”برگز نہیں بچے تالیہ۔ مجھے شرمندہ مت
 کریں۔“ وہ جھینپ گیا۔
 ”میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ کو آپ کی
 جاب واپس مل جائے گی۔ آپ میری طرف سے دل
 برداشت کیجیے گا۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاس کبھی بھی مجھے
 یوں ضائع نہیں کریں گے میں جانتا ہوں۔ وہ مجھے
 نہیں اور ایندھنست گردیں گے۔“ وہ خوش دلی سے
 مسکرا کے بولا تو تالیہ نے بند دواڑے کو دیکھا۔
 ”عبداللہ؟“ آواز دھیمی کی۔ ”کیا آپ مجھے
 میری جاب سکرپشن کھو کے دے سکتے ہیں؟“
 ”بے ذی؟“ عبداللہ نے سوالیہ امیروں اٹھایا۔
 تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”تالیہ صاحب کو آپ سے بہتر کون جانتا ہو

کا۔ اگر آپ مجھے قبول کر لیں تو میں اس کا بدلہ
 کے اندر کیا کیا شامل ہے؟“ وہ اس کا بدلہ
 کا۔“

”آف کورس ہے تالیہ۔ میں اس کا بدلہ
 ہوں۔ آپ نے کتنی جاب بھی لیا ہے۔ میں اس کا
 جاتا ہوں کہ ہاس کو ٹکلیں نہ دیں۔ اس کے لئے اس
 سے چھوٹی ڈائری لکھی اور قلم مبارک۔ چھوٹی
 اور جلدی جلدی کا نغہ۔ پانچواں کھینچنے کا۔ پانچواں
 سمجھاتا بھی جا رہا تھا۔ وہ تالیہ سے ملے۔

تالیہ نے اس کی بات سن کر اس سے کہی۔
 کرسی پر تالیہ۔

”کیا پڑھ رہی ہو؟“ وہ تالیہ سے کہی۔
 کے برآمدے کے زینے پہ بیٹھی۔
 کاغذات کو پڑھتی تھی تب حقائق سمجھنے کے لئے
 تالیہ چمکی اٹھی کہ کھانا کی طرف تالیہ
 ”مجھے وان قارح نے پرسش ایف جاب۔
 دی ہے۔ یہ میری ہے ذی (جاب)۔“

”اب وہ سامنے کھاس پہ جمی سخت دھمکی
 دیکھ رہی تھی۔ واثق نے ٹیکہ ڈاک پہ تالیہ
 کاغذات کو الٹ پلٹ کے دیکھا۔
 ”یہ اس کے ٹکس کی انتہا ترین جاب ہے۔“
 ”جانتی ہو۔“

”جانتی ہو تو قبول کیوں کی؟“ وہ تالیہ سے کہی۔
 ”مجھے خزانے سے بہت امید تھی۔“
 خزانہ وہاں نہیں تھا۔ خزانہ کھو چکا ہے۔ تالیہ
 میں داپس کر چکی ہوں۔ چھوٹی بیات کے سامنے
 ہاس کھو گیا ہے۔ میں وان قارح کے قریب رہنا
 چاہتی ہوں۔ ایسا ہے تو ایسے ہی تھی۔
 ”کیا ان کو معلوم ہے کہ قریبی ہو۔“

چمکی۔
 ”میں اس سے پوچھوں۔“

عام ایک کام کیا تھا۔ اتنا تم ایک کام کرو تم ملو
ہا اور معلوم کرو کہ سولہ اور سترہ ہلاکی کی روایت کی
شعبہ ان لار کے ساتھ وہاں کیا ہوا تھا۔ ان کو بھر
چاہیں آئی ہیں اور وہ یاد نہیں کر پا رہے کہ ان کے
ساتھ یہ کیسے ہوا۔

”تم خود یہ کیوں نہیں معلوم کر لیں؟“
”کیونکہ میں جانتی ہوں ان کے ساتھ کیا ہوا تھا
لیکن جو میں جانتی ہوں وہ ان کی عقل سے اوج ہے۔
تم ایک عام انسان کے طور پر جو بھی معلوم کرو کی وہ
ان کی عقل میں آجائے گا۔“ مکر دان کی عقلی نہیں
ہوئی تھی۔

”اگر تمہیں سب معلوم ہے تو ان کو آسان الفاظ
میں بتا کیوں نہیں دیتیں؟“
تالیہ اسے دیکھ کر رو گئی۔
”وہ یقین نہیں کریں گے۔ کوئی یقین نہیں
کرے گا۔“

”تو پھر میرے جانے کا فائدہ؟“
”جو کام انہوں نے سوچا ہے اور جس کے چپے
وہ دیں گے اس کو ایمان داری سے کرنے کے لیے
تمہیں وہاں جا کر اس رات کو نہیں کرنا ہوگا۔“
”اور اسی رات ہوا کیا تھا؟“ داتن غور سے
اسے دیکھ رہی تھی۔ ”اس رات کے بعد سے تم بدلی
بدلی ہی ہو تالیہ۔“

”میرے ساتھ کیا ہوا تھا؟ اسے جانے دو۔ لیکن
ان کے ساتھ جو بھی ہوا تھا وہ کبھی سی سی بی وی فوج پہ
نہیں ملے گا۔ زیادہ سے زیادہ تمہیں یہی معلوم ہوگا
کہ وہ ایڈم کے ساتھ سوا گیا رو کے قریب کمر میں
داخل ہوئے اور پھر ساڑھے گیارہ بجے ایڈم اور
میرے جانے کے بعد وہ وہاں سے نہیں نکلے۔ یہ
بات شہوتوں کے ساتھ میں ان کو سمجھا دوں گی تو وہ اس
رات کا پیچھا چھوڑ دیں گے۔“

وہ داتن کے ہاتھ سے کاغذات لیچی اٹھی۔
”اب میں اپنی نئی جاب کی تیاری کر لوں۔“
”اوہ ٹرکی۔۔۔ تم کیسے ایک سیاسی پارٹی میں کام

کر کی؟ تم اگر اپنے دل سے اتنا کہہ دیتے ہاں
تالیہ۔“

تالیہ نے اس سے کہا کہ گائی ہوا ان کی سی
اور کرائے والی نہ بننا۔

داتن نے پیچھے ہٹ کر اپنی سیڑھی سے پیچھے
بے صبر ار اٹھ گئی۔ تالیہ کی آنکھیں پھٹا رہی تھیں
اور اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

”اوہ کون ہوتا ہے جو دوسرے سے اپنی سیڑھی
کے طواف اکیمال کرنے سے باز رہتا ہے؟“
بھانڈا نے گراؤں سے اور کچھ یوں اٹھتے ہوئے کہا
اس کا ذکر ہوا تھا وہ جانتا ہے۔ پھر اس کی گائی
سکا لیگا۔ کھڑکلا ہے کہ اس کا لایا اپنی اس تھا۔
”کون ہوتا ہے وہ؟“
”ایسا۔ کامر۔“

”ہاں اور سیاست دان بھی۔“
آنکھیں بند کر کے تالیہ نے کہا کہ وہ جانتی تھی
دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

”ہر ایک شخص نے بعد موم ہاتھ ملاتے ہیں؟“
کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو ووٹ لیا دیا۔ یہ تو
ہمیں لوٹ کے چلے گئے مگر کیا تو سیاست دانوں کا
اسلام ہے۔ وہ لوگوں کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ان کو
ووٹ دینا موم کا لایا گیا تھا۔ علاوہ داتن پر۔۔۔
فائدہ۔

الیشن ایک لمبا اسلام ہوتا ہے۔ ایک خوب
صورت کون۔ گم۔ موم ووٹ نہیں دیتی۔ سیاست دان
موم کے خواہوں کو ان کا لائی کا استعمال کرتے ہیں
وہ اپنے دل قریب دھرتے کہتے ہیں کہ موم مجھ پر ہو
جاتی ہے۔ موم سے ووٹ لیا جاتا ہے۔ اور رہی
میں۔۔۔ تو میں اس جتن میں اس لیے کام کر سکتی ہوں
کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اسلام کیسے چلے جاتے ہیں
اور ان کا توڑ کیا ہوتا ہے۔“

”دان قاتل کے اسے قریب کام کرنے کے
بعد یاد رکھنا کہ جتن سے پیچیدہ ہو جائے گی۔“
”تالیہ کی بحث اب کوئی پیچیدگی نہیں توڑ

سکتی۔“ پھر لیوں تک دو انگلیاں لے جا کر ان کو پھونک مار کے ہوا کے حوالے کیا اور مسکرا کے ہاتھ ہلاتی اندر چلی گئی۔

”تالیہ کو کیا ہو گیا ہے!“ داتن پدوکا کی پریشانوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ اتنی غرور اور بے خوف تو کبھی نہیں تھی۔ آخر اس رات کیا ہوا تھا؟

☆☆☆

جدید ملاک کے خوب صورت شہر پہ بارش پوری دھڑلے سے گھول کے پری اور پھر تھمی تو شام اترنے لگی۔ سن باد کے گھر کا مچن گیا تھا اور بجسے کے قریب ایڈم زمین پہ بیٹھا دستا نے چڑھائے اینٹوں کو جوڑ رہا تھا۔ کانٹوں میں چند زفری لگا رکھا تھا۔

”جی چے تالیہ! صبح تک سارا مچن برابر کر دیا تھا میں نے مگر کیاری والا حصہ بارش نے پھر سے خراب کر دیا۔ جی..... جی اب دوبارہ اسے جوڑ رہا ہوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ جینز کے گھٹنے کچھ آلود تھے اور دستا نے کارے میں لتھڑے تھے۔ سر پہ ٹوپی تھی اور چہرے پہ مسکراہٹ۔

”آپ بتائیں، آپ کی جاب کا پہلا دن کیسا رہا؟“

دوسری طرف سے چلا بھٹا جواب موصول ہوا۔ ”باڈی دو من بنا دیا مجھے اس غلام نے، جس کی ایک زمانے میں میں نے بھری منڈی میں بولی لگائی تھی۔“ شہزادی تاشہ نے ساتھ میں ”ہونہہ“ بھی کیا تھا۔

”باڈی دو من؟“ اینٹ اٹھاتے ہوئے ایڈم ہنس دیا۔ ”یعنی کہ پرسنل ایڈ؟ اودھے تالیہ! مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ شہزادی کو غلام کی چاکری کرنی پڑے گی۔“ وہ ہنس رہا تھا۔ ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے اینٹ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گارا زیادہ ڈال دیا تھا اینٹ برابر نہیں بیٹھ رہی تھی۔

”خود جاب لیس ہو اور مجھ پہ ہنس رہے ہو۔ ارے جیہیں تو کوئی باڈی من تک نہیں رکھتا۔ ایک میں جی جس نے شامی مورخ بنادیا تھا۔“

ایڈم رکا اور دائیں ہاتھ سے دستا اندر کے اسے الٹ پلٹ کے دیکھا۔ ”اور یہ معجزہ ہی ہے کہ آپ کی غلامی کے بعد بھی یہ ہاتھ سلامت ہے۔“ ”اگر ہاتھ سلامت ہے تو ایک جاب ہے تمہارے لیے۔“

”تھم سمجھے، شہزادی۔“ اینٹ کو زور سے دیا۔ دو اندر فٹ بیٹھ ہی نہیں رہی تھی۔ کچھ تھا جو غلط تھا۔ ”قدیم ملاکہ میں تم شامی مورخ تھے۔ تمام حالات حاضرہ کو رقم کرتے تھے۔ جانتے ہو ایسے شخص کو جدید زمانے میں کیا کہا جاتا ہے؟“

”کیا؟“ ”جھنجھلا کر اینٹ نکالی اور کیاری کے شکاف کو دیکھا۔ برابر سطح میں ایک اسی اینٹ کا خانہ خالی تھا۔ اس نے مچھی سے مزید اینٹ نکالی۔

”رپورٹر!“

”رپورٹر؟“ ایڈم حیران ہوا۔ ساتھ ہی مچھیوں سے مٹی بھی نکالے جا رہا تھا۔

”ہاں ایڈم۔ تم لکھنا چاہتے ہو؟ وہ بھی سچ؟ تو تم رپورٹنگ کی طرف چلے جاؤ اور یہ مت کہنا کہ جیسے جاب کون دے گا۔ میرا ایک کلائنٹ ایک اخبار چاہتا ہے۔ اس سے تمہارے لیے وقت لیا ہے۔ دو دن بعد تم انٹرویو دینے پہنچ جانا۔“

”آپ اور اتنی مہربان؟“

”اور سنو، کوئی اچھی سی تحریر لکھ کے لے جاؤ۔“ تحریر تمہاری سی وی ہوگی۔ اس کو پڑھ کر ہی وہ کہیں نوکری دینے یا نہ دینے کا فیصلہ کریں گے۔“ اس کی بات کو نظر انداز کر کے وہ کہے جا رہی تھی جب ایڈم ایک دم کراہا۔ ”آؤ ج۔“

”یا اللہ ایڈم... کیا ہوا؟“

”جی چے تالیہ... میں انٹرویو دینے ضرور جاؤں گا۔ اچھا میں منہبر کے کال کرتا ہوں۔“ اس نے فون بند کیا اور نارنج جلا کے مٹی پر روشنی پڑی۔ دیکھو شام کی روشنی پھیلی تھی مگر وہ کافی نہ تھی۔ ایڈم نے چہرہ جھکایا اور تعجب سے چٹلیاں سکڑ کے دیکھا۔ اس کے

میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ وہاں سے ہاتھ اٹھانے پر وہ
میں نے دیکھا کہ اس سے ہاتھ اٹھانے پر وہ
میں نے دیکھا کہ اس سے ہاتھ اٹھانے پر وہ

یہ کیا ہے؟

وہ اچھے اور خوب سے اس جہاز کو دیکھ رہا تھا۔
(یہ کہیں جا رہا ہے؟)

تار کیاری میں دلی ہوا تھا۔ دلتی سے کھینچنے
کے نکاح کیاری کے سرے تک آیا، یہاں دوڑ میں
کے اندر باہر تھا۔ وہ کہیں تک جا رہا تھا؟ یہ عجیب سا
جہاز میں کیوں نہ تھا؟
ذہن کے کسی تہ خانے میں تالیہ مرو کی آواز
سُنی۔

”سن پاؤ کا گھر تین غزنوں کا گھر۔“
پہلا غزانہ وقت کا تھا۔ جس کا نقل مجھے سے
دل خالی ہو گیا تھا۔

دوسرا غزانہ انہوں نے مجھے سے اپنے ہاتھوں
سے دبا یا تھا۔ جسے کھودنے کے بعد بھی ہاتھ خالی رہ
گئے تھے۔

ایک دفعہ مذاق مذاق میں تالیہ نے کہا تھا کہ
اس گھر میں ایک تیسرا غزانہ بھی ہونا چاہیے۔
کیا سن پاؤ کے گھر میں کوئی تیسرا غزانہ بھی دبا
تھا جس سے کوئی واقف نہ تھا؟
ایڈم بن محمد یک تک اس تار کو دیکھ رہا تھا۔ اس
کی گردن کے بال کھڑے ہونے لگے تھے۔

☆☆☆

اس صبح عصر و بخت نموداشتے کی میز کی طرف جا
رہی تھی، جب لادج کی کھڑکی کے جالی دار پردے کو
دیکھ کے رکی۔ دیاں سے لان اور پوری دکھائی دے
رہا تھا۔ دان فارغ کے گارڈ زکار کے قریب مستعد
کھڑے تھے۔ صبح ہی صبح یہ عملہ پہنچ جاتا تھا اور رات
تک اس کے ساتھ رہتا تھا۔ عصر کو ہر صبح عثمان دو
گارڈ ز اور مہاراجہ کو اس جگہ دیکھنے کی عادت تھی مگر آج

وہ کب سے ایسا لگتا تھا۔ حاتی سمجھا کہ یہ
تھکانے والے تھے۔ جب صبح میں تھکانے والے
تھکانے والے تھے۔ جب صبح میں تھکانے والے
تھکانے والے تھے۔ جب صبح میں تھکانے والے

”صبح تھے سر صبر وہ تالیہ سنبھل کے مسکرائی
اور فوج کشی پہ اٹھائے تھے سے یہ ایک میں
نہا۔“

”شعر صاحب سے جا ب کا کہ تو انہوں نے
مجھے قح صاحب کے اسٹاف میں بطور باڈی گورڈ
جا ب دیوادی۔“ کتہے میں لپکا کے بدلتا۔ عصر و نے
مر سے حق تک ایک ہی تھر میں اس کا جائزہ لے لیا۔
وہ عام ذہن کے یہ نفس سادہ تیار ہوتا تھی۔
پہنچنے پہ لگی بیوی فریڈک گردن میں پھول دار
دیوادی ہاتھوں کی لوہی پونی پتھر میں کیسٹ شوز۔ وہ
وانی ایک برتن ایسا لگ رہی تھی۔ وہ ایگزیکٹو پز اسٹر
کوٹ ڈو تھی لباس سب ٹرڈ تھا۔ ہاں انکی کی سرخ
آنسو شکل انگوٹھی اور بالوں میں لگا منہرے ہرن کے
چمڑے والے ٹکپ ویسا ہی تھا۔

”باڈی وڈ من۔ اوہ اچھا۔ اچھا۔“ عصر و سنبھل
کے مسکرا دی۔ پھر ادھر ادھر سارے عملے کو دیکھا جو
فارغ کے انتظار میں کھڑے تھے۔
”مجھے نہیں معلوم تھا تم سیاسی عزائم بھی رکھتی
ہو۔“

”عزائم کا تو علم نہیں البتہ وہ تمام خوبیاں
میرے اندر موجود ہیں جو بی این میں کام کرنے کے
لیے درکار ہیں۔“
”گڈ۔“ عصر و نے مسکرا کے شانے اچکا دیے
البتہ ایک گہری نظر اس پہ ضرور ڈالی جو کار سے ٹک
لگائے بے نیازی سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔
عصر و کے جانے کے بعد گیٹ کھلا اور وہ اندر
داخل ہوتا دکھائی دیا۔ لی شرٹ ٹراڈ زر میں ملبوس

ساتھ بیک ویشٹ میں اس کا ٹکس دیکھا۔
 فارج نے کڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے ٹک لیں
 سے لگا یا۔ دو گھنٹہ بھرے۔ پھر سڑک کنارے
 بھاگتی عمارتوں کو دیکھ کے کہنے لگا۔
 ”تم نے راپا پٹنی کی بیٹی والی کہانی پڑھی ہے؟“

”نہیں سہرا“ وہ سانس روکے اس کے تاثرات
 پڑھ رہی تھی۔ دل برا ہونے لگا تھا۔

”راپا پٹنی نے اپنے گھر میں زہریلے پھولوں
 کا باغ لگایا اور بچپن سے اپنی بیٹی کو زہریلے پھولوں کا
 رس پلانے لگا۔ تھوڑا تھوڑا زہر اس کے اندر اترتا تو وہ
 مری نہیں بلکہ زہر سے Immune (محفوظ) ہوتی
 چلی گئی یہاں تک کہ وہ خود ایک زہریلا پھول بن گئی۔
 وہ لڑکی جس پھول کو چھوتی۔ وہ اس کے ہاتھ میں
 مرجھا جاتا۔ جس شخص کو چھوتی اسے اپنے ٹکس کے
 زہر سے مار دیتی۔ میں اب تک سمجھتا تھا کہ یہ ناممکن
 ہے کہ کسی انسان کے ہاتھ میں اتنی کڑواہٹ بھر
 جائے کہ وہ جس کو چھوئے سر جھٹک کے عثمان کو
 پکارا۔“ پلیز اس کا کافی کو اس پھول بیچنے والے کو دے
 آؤ۔ شاید اس کو یہ اتنی بد مزہ نہ لگے۔“

عثمان نے کار روکی۔ خاموشی سے دونوں کپ
 لیے اور باہر نکل کے ایک پھولوں کے اسٹال تک چلا
 گیا۔

وہ چپ چاپ بیٹھی لب کاٹتی رہی۔ وہ جواب
 نہیں دے گی یہ طے تھا۔ وہ یہی چاہتا تھا تا کہ وہ
 جواب میں پھٹ پڑے اور وہ اسے نکال دے۔
 نہیں۔ وہ چپ رہے گی۔ وہ اسے خود کو نکالنے کی
 معقول وجہ نہیں دے گی۔ تالیہ مراد اگر کڑوی تھی تو
 وان فارج کو یہ کڑوا گھنٹہ پینا ہی پڑے گا کیونکہ یہ
 اس کی اپنی خواہش تھی کہ تالیہ اس کے ساتھ رہے۔ وہ
 صرف اپنا وعدہ بھاری تھی۔

☆☆☆

ملا کہ میں آج مطلع صاف تھا۔ سن باؤ کا گھر
 خاموشی سے کھڑا اپنے سامنے بنے بازار کو دیکھ رہا

”کافی“
 ”کافی میکر استعمال کے بعد صاف کر دینا اور
 نظر ہر نکال کے پھینک دینا۔ یاد سے۔“ ”خیر
 سے یاد کر لیا تو تالیہ نے بس ایک خاموشی نظر اس پہ
 ڈالی۔ (یہ نہیں جانتی کہ ایک دن میں اس کو ٹرمیڈٹ
 کروں گی۔ مگر ایک باڈی وومن کسی کو ٹرمیڈٹ کیسے کر
 جاتی ہے؟)

کافی لے کر وہ اندر آئی تو وہ فائلز میں الجھا بیٹھا
 تالیہ نے گنگر دکھا تو عادی بولا۔ ”میں ٹکس عہد۔۔۔“
 پھر رکا۔ نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ تاثرات
 پاٹ ہو گئے۔ خاموشی سے گنگ اٹھایا اور گھنٹ
 ہرا۔ وہ جان بوجھ کے رک کے اس کے تاثرات
 دیکھنے لگی۔

”خود بتائی ہے؟“ گھنٹ بھر کے پوچھا۔
 ”جی سہرا“

”بہت بد مزہ ہے۔ آئندہ مت بنانا۔ نیچے مال
 سے لے آنا۔ اسے گرا دو۔“ ناگواری سے کہتے گنگ
 بے دھکیلا اور لیپ ٹاپ سامنے کر لیا۔ ماتھے پہ
 لکھیں اور آنکھوں میں برہمی تھی۔

ملا کہ کی شہزادی کے لیے میر کے گھنٹ بھرنا
 بہت مشکل ہو گیا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ وہ جان بوجھ
 کے ایسا کر رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے وہ خود جاب چھوڑ
 کے چلی جائے۔

”نیچے مال سے لے آتی ہوں سہرا۔“
 ”اچھی پارلیمنٹ کے لیے ٹکس کے“ جب لے
 آنا۔ وہ کی بورڈ پہ ٹائپ کر رہا تھا۔ بے نیازی سی
 بے نیازی تھی۔ وہ اتنا مصروف تھا کہ اس کے پاس
 تالیہ کو دیکھنے کا وقت بھی نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ پلٹ
 گئی۔

فارج کار میں بیٹھ چکا تھا جب وہ کافی کے دو
 گلاس اٹھائے بیک سنبھالتی کار تک آئی۔ عبداللہ نے
 بتایا تھا کہ وہ پارلیمنٹ والے دن راستے میں دنگ
 کال پتا ہے۔ اس نے ایک گنگ پکڑ لیا اور دوسرا اس
 کی طرف بڑھا دیا پھر آگے بیٹھ گئی۔ دھڑکتے دل کے

تھا۔ وہاں قطار میں دکانیں اور ریسٹوران تھے۔ باہر کرسیاں میزیں ڈالے بیٹھے لوگ کھانے پینے اور خوش چہیوں میں مصروف تھے۔

ایسے میں ایک ریسٹوران جو سن باؤ کے گھر کے عین سامنے تھا اس کے کاؤنٹر کے ساتھ رکھے اسٹول۔ داتن بیٹھی تھی۔ کاؤنٹر پہ نشو کا ڈبا رکھا تھا جس سے نشو نکال نکال کے وہ آنکھیں پونچھ رہی تھی اور ساتھ کھڑی میسرینز دو دن ہمدردی بھرے تاثرات سے اس کی گھاس رہی تھی۔

”نہ وہ بیسے بھیجتا ہے نہ ملنے آتا ہے۔ اتنے بڑے آدمی کی نوکری نے میرا بیٹا مجھ سے جھین لیا ہے۔“

موٹے موٹے آنسو صاف کرتی وہ میلی آواز میں بتا رہی تھی۔ سر پہ اس کا رقبہ لپیٹے داتن پد کا ایک دکھیا ری عورت گئی تھی جس کے تم دوسری عورتوں جیسے تھے۔

سیلز دو دن نے تاسف سے سر ہلایا۔
”یا اللہ... آج کل کی اولاد“ پھر جیسے رائے دینے لگی۔ ”تم اس کے باس سے کیوں بات نہیں کرتیں۔“

”اس کا باس؟ ہونہ۔ وہ وان فاتح... ممبر پارلیمنٹ کا سالہا ہے۔ اشعر محمود۔ اس سے کیا بات کروں۔ میرے جیسوں کو تو وہ اندر گھسنے ہی نہ دے۔“

”وان فاتح کا سالہا؟“ سیلز دو دن نے چونک کے سڑک کی طرف دیکھا جس کے دوسری طرف سن باؤ کی حویلی تھی۔

”یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ میں زہری سے کہتی ہوں وان فاتح سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے۔ تمہیں معلوم ہے۔“ راز داری سے کاؤنٹر پہ جھکی۔ ”یہ سامنے والی سرخ حویلی وان فاتح کی ہے۔“

”ایس؟“ رولی ہوئی داتن نے سرائفا کے بے یقینی سے اسے دیکھا پھر منہ ہٹایا۔ ”ادھر ملا کہ میں اس کی حویلی کہاں سے آگئی؟“

”جین کرو دینا ہی بول رہی ہوں۔“
”خیر۔ سو بھی سکتی ہے مگر اس جیسے بڑے لوگ یہاں نہیں آتے۔ وہ تو اپنے غلوں سے ہی نہیں نکلتے۔“ آنسو پھر سے اس کی آنکھوں سے اگلنے لگے۔ ”اور ان کے محلات کی حفاظت میرے جیسے جیسے لوگ کرتے ہیں۔“

”نہیں نہیں وہ آتا ہے۔ رک کے دکان والوں کی خیریت بھی پوچھتا ہے۔ مینے دو مینے بعد ایک دن کے لیے آ جاتا ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی وہ آیا تھا۔“ بتانے والی عورت تھی اور شردخ ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد داتن سڑک کنارے چلتی فون کان سے لگائے کہہ رہی تھی۔

”تھوڑا بہت علم ہوا ہے کہ اس رات وان فاتح نے کیا کیا تھا۔“

”مجھے معلوم ہے داتن۔“ تاہم اس وقت پارلیمنٹ کی گیلری میں بیٹھی تھی اور فون کان سے لگائے روکے سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ نیچے بیٹن جاری تھا۔ ڈیک سجے تھے اور نیچے بیٹھے اشعر اور فاتح دکھائی دے رہے تھے جو خاموشی سے ایک ساکھی کی تقریر سن رہے تھے۔

”میں نے ارد گرد لوگوں کو کریدا ہے۔ ایک نے تو سی سی ٹی وی فوٹیج بھی دکھا دی ہے۔“
”اور اس میں تم نے مجھے اندر داخل ہونے دیکھا ہوگا۔“

”ہاں۔ اور بعد میں ایڈم آتا ہے فاتح کو لے کر۔ پھر پولیس والے آتے ہیں اور کچھ دیر بعد تم ایڈم باہر نکلتے ہو مگر تمہارے لباس مختلف ہیں۔“

”اور پھر وان فاتح سو جاتا ہے اور صبح جب اٹھتا ہے تو اس کو گزشتہ رات بھول چکی تھی۔“
”جلیبے زاری سے دہرا رہی تھی۔ وہ لمبی کٹھاٹنے کے سوا میں نہیں تھی۔“ اب گفتیش ایمان داری سے مکمل ہو چکی ہے داتن تم واپس جاؤ اور سی سی ٹی وی فوٹیج مجھے بھیج دو۔ میں فاتح کو دکھا دوں گی۔“

”وان فاتح سو یا نہیں تھا۔ وہ تمہارے جانے

کے بعد گھر سے نکل گیا تھا اور صبح فجر سے پہلے واپس آیا تھا۔

تالیہ مراد تیزی سے سیدھی ہوئی۔ نظر نیچے بیٹھے تھے۔ جم گئی جو یہاں سے بہت چھوٹا نظر آ رہا تھا۔

”وہ گھر سے باہر گئے تھے؟ مگر کہاں؟ انہوں نے تو کہا تھا کہ وہ اب آرام کریں گے۔“

”اطراف والوں نے اڑتے اڑتے سنا ہے کہ اس رات دان فاح کے ساتھ کوئی چوری چکاری کی واردات ہوئی تھی اور وہ پولیس اسٹیشن گیا تھا۔ یہ چھوٹا ملاکہ ہے اور فاح مشہور آدمی ہے، ایسی باتیں سمجھی نہیں رہتیں۔“

ایک دم سے معاملہ دلچسپ ہو گیا تھا۔ وہ چوکنی ہو گئی۔

”دانتن... تم معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ کیا وہ ماری رات تھانے میں رہا تھا یا کہیں اور بھی گیا تھا۔“

”میں یہی کرنے آئی ہوں ملاکہ، لیکن وعدہ کرو کہ واپسی پہ تم مجھے سب سچ بتاؤ گی۔“

تالیہ نے جواب دیے بتا فون بند کر دیا۔ پھر اپنا دوسرا موبائل نکالا اور فاح کو پیغام لکھا۔

”اس رات آپ کے ساتھ چوری کا واقعہ ہوا تھا اور آپ پولیس اسٹیشن گئے تھے۔ کیا ایسا کچھ یاد ہے آپ کو؟“

نیچے اپنی نشستوں پہ بیٹھے افراد بے زار ہو کے ایک قانون ساز کی تقریر سن رہے تھے۔ ایسے میں دان فاح جو فیک لگائے، کال تلے انگلی جمائے بیٹھا تھا، فون کی تھر تھراہٹ نہ چوٹکا۔ عالم اس کے ان چند کا پتیلیس میں تھا جن کے لیے اس نے الگ رنگ ٹون لگا رکھی تھی۔ وہاں موبائل کا استعمال پر ڈٹو کول کے خلاف تھا مگر وہ پروا نہیں کیا کرتا تھا۔ اطمینان سے فون نکالا اور اسکرین کو چھوا۔ پھر جواب لکھنے لگا۔

”ہاں۔ جب میں صبح اٹھا تو میرے دوست کشن نے مجھے رات میرے بیان کی ویڈیو بھیجی تھی۔“

”آپ نے مجھے ویڈیو کے بارے میں پہلے

کیوں نہیں بتایا؟“

”کیونکہ گفتیش تمہارا کام تھا، میرا نہیں۔“ وہاں بے نیازی کا وہی عالم تھا۔

”اوکے مجھے ویڈیو بھیجیں۔ مجھے وہ دیکھنی ہے۔ ابھی....“ وہ مانتے پہ تل لیے ناپ کر رہی تھی۔

تو دان فاح اس رات فوراً سویا نہیں تھا بلکہ وہ کچھ کرتا رہا تھا مگر کیا؟

فاح نے اس کے بتائے ای میل ایڈریس پہ کشن کی ای میل بھیج دی۔

تالیہ نے چند زفری کانوں سے لگائے اور کیلری سے باہر نکل آئی۔ باہر ایک خاموش راہ داری میں کھڑے اس نے وہ ویڈیو دیکھی۔

یوں لگتا تھا وہ ویڈیو اس نے خود کو کئی چوٹوں سے مطمئن کرنے کے لیے بنوائی تھی تاکہ جب وہ صبح اٹھے تو اسے رات کے واقعات پہ شک نہ ہو۔

مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اسے شک پڑ گیا تھا اور اس نے عالم کو ہانڈ کر لیا تھا۔

البتہ ایک خیال تالیہ کا دل برا کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے اتنی محنت سے ویڈیو بنوائی تاکہ جب فاح صبح جاگے اسے بھولے سے بھی ماضی کی کرید نہ ہو۔ وہ تالیہ کو اپنے لاشعور سے بھی نکال پھینکتا چاہتا تھا۔ واہ فاح صاحب.... واہ.... اس نے بہت سے آنسو اندر اتارے اور کانوں سے چند زفری صفحے ڈالا۔

سامنے لفٹ کے دروازے کھلے اور فاح، عثمان کے ہمراہ آتا دکھائی دیا۔ ایک تھکا دیئے والے طویل سیشن کے بعد وہ یقیناً تھک چکا تھا۔

”آپ کا انرجی باز سڑا“ ایک انرجی بار انجی سیاہ زنبیل سے نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ فاح نے بار تھما، اس کو الٹ پلٹ کے دیکھا، پھر ایک خاموش نظر تالیہ پہ ڈالی اور بولا۔

”مجھے انرجی کی ضرورت نہیں ہے، میں بالکل فریش ہوں۔“ بے زاری سے کونے میں رکھے

ڈسٹ بن میں بار اچھال دیا اور راہداری کا موڑ مڑ

کیا۔

تالیہ کے کال دیکھنے لگے۔ اندر موجود شہزادی نے کہا کہ لعنت بھیجو اس نوکری پہ اور ابھی اسے مستغنیٰ اس مفرد آدمی کے منہ پہ دے مارو.... مگر پھر... اس نے کڑوے کھونٹ بھر دیے۔

اگر اس کے ہاتھ لگانے سے ہر چیز فاتح کے لیے زہریلی ہو جاتی تھی تو راپا چینی کی بیٹی کی طرح اس سیاست دان کو بھی اس زہر سے Immune ہونا پڑے گا۔ اس نے زور سے جھنجھا اور اس کے پیچھے ہوئی۔

☆☆☆

اس صبح ابھی آفس میں معمولات کا آغاز ہی ہوا تھا کہ لفٹ کے دروازے کھلے اور عمرہ بچہ نمود اترتی دکھائی دی۔ راہ داروں میں قائلین اٹھائے آتے جاتے لوگوں نے مڑ مڑ کے اسے دیکھا مگر وہ ساٹ تاثرات چہرے پہ سجائے سیدھ میں آگے بڑھتی گئی۔ اسکرٹ کے اوپر کوٹ پہنے سر کو اسٹول سے ڈھانے اسٹول کا ایک سر اسانے اور دوسرے کو پیچھے ڈالے وہ ہمیشہ کی طرح مفرد اور طرح دار دکھائی دیتی تھی۔ راستے میں ٹھکانے اسے دیکھا تو فوراً سامنے آیا۔

”سبز عمرہ.... خوش آمدید۔ فاتح صاحب کانفرنس روم میں ایک دوست کے ساتھ ہیں اور....“
”میں اس سے ملنے نہیں آئی۔“ بے رخی سے کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ مہمان گہری سانس لے کر رہ گیا۔

اشعر اپنے بی این کے چھوٹے سے آفس میں موجود تھا اور میز کے پیچھے کھڑے کھڑے کاغذات پہ سائن کر رہا تھا، کو یا بیٹھنے کا وقت بھی نہ ہو، جب دروازہ کھلا اور عمرہ اندر داخل ہوئی۔

اشعر نے محض نظر اٹھا کے دیکھا پھر دوبارہ کاغذوں کی طرف جھک گیا۔ جڑے کی رگیں البتہ بھٹی گئی تھیں۔

”رہی نے کہا کہ تم آج اس آفس میں ملو گے۔“

شکر ہے یہاں مل گئے ورنہ تم سے ملاقات کے لیے تو لگتا ہے اب وقت لینا پڑے گا۔“

”مبالغہ آرائی سے کام مت لو کا کا۔ کوئی کام ہے تو بتاؤ۔“ وہ خشک انداز میں کہتے ہوئے جھک کے کھٹا کھٹ دستخط کر رہا تھا۔ عمرہ نے زور سے پرس میز پہ رکھا، کرسی چینی اور بیٹھی۔ پھر چپچتی ہوئی نظریں اشعر پہ جمادیں۔

”تم نے معلوم کیا کہ کھائل غزال کا خریدار کون تھا اور اسے کس نے بھیجا تھا؟“

”کا کا! تم کیوں بھول جاتی ہو کہ میرے پاس ایکشن کے علاوہ کسی چیز کا وقت نہیں ہے۔“

”اور تم کیوں بھول جاتے ہو کہ کسی نے تمہاری بہن کی گیلری میں ایک جعلی عرب شہزادے کو بھیجا تھا۔“

”وہ گیلری جو تم نے میرا حق مار کے لی تھی؟“
اشعر نے جھکے جھکے آنکھیں اٹھا کے کاٹ دار انداز میں اسے دیکھا تو وہ کچھ بول نہ سکی۔ پھر اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ آگے کو جھکی اور غرائی۔
”مجھے اس وقت اس گیلری کی ضرورت تھی۔ تم اپنی بہن کے لیے اتنا پرانا بغض سنبھال کے بیٹھے ہو؟“

”اور مجھے اس وقت تمہاری غیر مشروط سپورٹ چاہیے گا کا“ لیکن تم اپنے شو ہر کو روک نہیں سکتی۔“
اس نے زور سے فائل بند کی اور سیدھا ہول چڑا سرخ ہونے لگا تھا۔

”اف ایٹش... وہ برسوں سے اس کرسی کی تیاری کر رہا ہے۔ میری امید تو دکانیں چلنے اور ضمیر ڈوبنے سے ختم ہو گئی مگر وہ تو ابھی تک وہیں ہے۔“
کسی آدمی کے خواب اس سے چوری کیسے کیے جاتے ہیں تم مجھے سکھا دیتے تو وہ بھی کر لیتی۔ اس سے زیادہ کیا کروں میں تمہارے لیے؟“

”میرے لیے؟ مائی فٹ۔“ وہ غرایا۔ ”میرے لیے کچھ نہیں کیا تم نے؟ کا کا۔ سب کچھ اپنے لیے کیا ہے۔ اپنے خاندان کو ایکشن کی آلہ دہی سے دور رکھنے

کے لیے اپنے جینی سکون کے لیے۔“

”ہاں کیا ہے میں نے سب اپنے لیے تو پھر
جہیں کیا مسئلہ ہے؟ جب سے اس نے ایکشن لڑنے
کا فیصلہ کیا ہے تم نے مجھ سے اپنا رویہ کیوں بدل لیا
ہے؟“ اس کی آنکھیں بجھنے لگیں۔

”میں بیک وقت کئی محاذوں پہ لڑ رہی ہوں
ایٹس۔ میں تمہاری وہی بہن ہوں جس نے اتنے
سال تمہارا خیال رکھا ہے۔“

”مگر میں تمہارا وہ بھائی نہیں رہا۔ تم نے وعدہ
کیا تھا کہ تم اسے روک لوگی۔ میں نے اتنے ماہ
تمہارے وعدے کے بھروسے پہ تیاری کی اور اب تم
کہہ رہی ہو کہ تم بے بس ہو۔“

”میرے بس میں ہے بھی کیا؟“ وہ بھگتی
آنکھوں کے ساتھ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔
اشعر چند لمحے کھڑا اسے چھٹی نظروں سے دیکھتا رہا۔
”تم آج سے کہو اگر اس نے ایکشن لڑا تو
اسے تمہیں طلاق دینی ہوگی۔ اسے تمہیں اور جیرمین
شپ میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔“

عصرہ چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر ٹشو پیپر
کے باکس سے ایک ٹشو کھینچا اسے موڑ کے نوک
بٹائی۔ آنکھوں کے کنارے اس کی نوک سے صاف
کیے اور کھڑی ہوئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور
چبا چبا کے کہنے لگی۔

”ابھی میں اتنی بے وقوف نہیں ہوئی کہ تمہاری
ہر بات کی اندھی تقلید کرنا شروع کر دوں۔ اپنے
مشورے اپنے پاس رکھو۔ اور مجھے اس پینٹنگ کا
خریدار ڈھونڈ کے دو۔ دودن میں رزلٹ میری نیل
پہ ہونا چاہیے اشعر محمود! ورنہ یاد رکھنا اگر میں بابا کی
بائیداد میں سے اپنے حصے کے لیے کورٹ گئی تو چند
ہفتوں میں ہوا ہوا ہو جائے گا اور تمہاری سب سے
جیتی ملکیت..... بابا کا قلعہ..... ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے
گا اور تم اس دن کو یاد کر کے پچھتاؤ گے کہ کاش تم نے
دودن میں مجھے رزلٹ دے دیا ہوتا۔ مت بھولنا کہ
تم تمہاری بیوی بہن ہوں۔ تم سے پہلے دنیا میں آئی

تھی تم سے زیادہ چال بازی آتی ہے مجھے۔“

سرخ آنکھوں سے اسے گھورتی مڑی اور تن فر
کرتی باہر نکل گئی۔ اشعر جواباً کچھ نہ بولا بس چپ
چاپ اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر زور سے فائل پرے
اٹھا کے دے ماری۔

عصرہ باہر آ کے سیدھی ریٹ روم کی طرف
آگئی۔ وہاں ایک ہال میں لمبا سا شیشہ لگا تھا جس
کے سامنے قطار میں سنگ بنے تھے۔ وہ ایک سنگ
کے سامنے کھڑی ہوئی اور عل تے ہاتھوں کا پیالہ
رکھا۔ پانی پتیلیوں میں بھرنے لگا تو اس نے منہ پہ
چھینٹا مارا۔

”کیا آپ خوش ہیں مسز عصرہ؟“

منہ پہ پانی پڑنے کی وجہ سے بھارت دھندلی
ہو گئی تھی۔ چونک کے چہرہ اٹھایا تو دھندلا گیا سا منظر
نظر آیا۔

تالی اس کے قریب سنگ سے ٹک لگائے سینے
پہ بازو لیے کھڑی تھی۔

”سوری؟“ عصرہ نے پیپر ٹاول سے چہرہ
تھپتھپایا اور دوبارہ دیکھا تو منظر واضح ہوا۔ وہ سر پہ
ترجمی سفید ہیٹ جمائے آج نیلا پھول دار فراک
پہنے ہوئے تھی اور آنکھوں میں ڈیروں سادگی لیے
عصرہ کو دیکھ رہی تھی۔

”آپ خوش ہیں مسز عصرہ؟ اور مطمئن بھی؟“

باہر سے آتا فاح اس آواز پہ دروازے کے
دوسری طرف رک گیا۔ عثمان نے سرگوشی کی تھی کہ
جذباتی انداز میں اس نے عصرہ کو اشعر کے آنس سے
نکلتے دیکھا ہے تو فوراً اس طرف آیا تھا۔ مگر چونکہ یہ
لیڈیز ریٹ روم تھا اسے باہر ہی رکنا پڑا۔

”خوش؟ مطمئن؟“ عصرہ آگئے میں خود کو
دیکھتے ٹشو سے آنکھ کے کنارے پونچھنے لگی۔

”آپ نے اس روز مجھ سے پوچھا تھا کہ آپ
کو نہیں معلوم تھا کہ میرے سیاسی عزائم بھی ہیں۔
ایک زمانے میں میرے سیاسی عزائم نہیں تھے۔ میں
اپنی زندگی میں خوش اور مطمئن تھی کہ میری زندگی

قابل رشک نہیں تھی۔ ”وہ اطمینان سے ٹیک لگائے کھڑی کہہ رہی تھی۔ عصرہ خاموشی سے اپنا میک اپ صاف کرتی رہی۔ وہ آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ اس کا تالیہ سے کوئی بات کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

”مگر پھر میں نے اپنے بابا کو دیکھا۔ وہ بہت دانا سیاست دان تھے۔ ایک دنیا پہ حکمرانی کرتے تھے مگر وہ خوش اور مطمئن نہ تھے۔ ان کے اندر بہت آگ تھی۔ ہوس، عزم، طاقت کی خواہش اور پھر میں نے جانا کہ خوش اور مطمئن لوگ دنیا پہ حکمرانی نہیں کر سکتے۔ کسی ملک کو صرف وہی چلا سکتا ہے جو نہ اپنی زندگی سے خوش ہو نہ اپنے معاشرے سے مطمئن۔ جس کے پاس ٹوٹا ہوا دل ہو وہی اپنے لوگوں کے لیے کچھ کرنے کے ارادے سے نکلتا ہے اور ان کے دلوں پہ حکمرانی کرنے لگتا ہے۔“

وہ بولے جا رہی تھی اور عصرہ اپنے عکس کو دیکھتی آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

”مگر جب کسی کی مشکلیں دور ہو جائیں اور اسے بے پناہ خوشیاں مل جائیں تو وہ نیز اس شخص کو Productive نہیں رہنے دیتا۔ آسانیاں اور راحتیں انسان کو نکماتا بناتی ہیں۔ بڑے مقاصد کے لیے جینے والے.... بڑی بڑی تحریکیں چلانے والے...

ان سب کے دلوں کا ٹوٹا ہوا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ دوسروں کا غم سمجھ سکیں۔ میں اب خوش نہیں ہوں۔ دکھی ہوں۔ مطمئن بھی نہیں ہوں۔ محرومی کا شکار ہوں۔ پانے کے بعد چھین لیے جانے کی محرومی۔ اس لیے اب میں اس تحریک کا حصہ بننا چاہتی ہوں۔ اس آفس میں کام کرنا چاہتی ہوں کیونکہ میں بالکل بھی خوش نہیں ہوں۔ کیا آپ ہیں؟“

کمرے میں لگے ڈھیروں آئینے ہر کونے میں ان دونوں کا عکس دکھا رہے تھے۔ ہیٹ والی لڑکی سنک سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور عصرہ ابھی تک آئینے میں دیکھتی اپنا میک اپ درست کر رہی تھی۔ پھر اس نے پاؤں کی ڈبی بند کی اور تالیہ کی طرف گھومی۔

”اس سیاست نے مجھ سے میری بیٹی بچھڑا لی۔ مجھے خوشی اور اطمینان کا اب کرنے بھی کیا ہے؟“

زہر خند لہجے میں بولی اور مڑ گئی۔

باہر کھڑا ان قیام آہستہ سے پلٹ گیا۔ عصرہ کو اس کی ضرورت نہیں تھی وہ جان گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ کام سے اس کے آفس میں آئی تو دیکھا وہ لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کر رہا ہے اور اس کی کافی ٹینڈی ہو رہی ہے۔

فاح نے آج بھی اس کی لائی کافی کو چھوا نہیں تھا۔ اس کے دل کو دھکا سا لگا مگر ضبط سے سپاٹ چہرے کے ساتھ اندر آئی اور فلیٹ کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ اسے وہاں رکھی فاح کی ترتیب دینا تھی۔

”تمہیں کیوں لگتا ہے کہ خوش اور مطمئن لوگ اچھے حکمران نہیں بن سکتے۔“

ہیٹ والی لڑکی آواز پہ چونک کے مڑی۔ وہ ٹائپ کرتے ہوئے عینک لگائے اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔

(تو اس نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔ کیا کھرا آدمی تھا۔ دو منٹ بھی نہیں چھپا سکا اس بات کو۔) ”کیا مجھے غلط لگتا ہے سر؟“

”میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ اتنی معقول بات تمہارے ذہن میں کیسے آئی؟“ وہ اس کو اپنے عقل مند نہیں سمجھتا تھا یہ تو طے تھا مگر انداز اتنا بے ساختہ تھا کہ وہ مسکرا دی۔

”مجھے کسی نے کہا تھا ایک مرتبہ کہ خوش اور مطمئن لوگ حکومت نہیں چلا سکتے اور میں نے اس کی بات نہیں مانی تھی۔ اب مانتی ہوں۔“

”کس نے کہا تھا؟“ وہ مصروف سے انداز میں بدستور ٹائپ کرتے پوچھ رہا تھا۔

”تھا کوئی خود غرض انسان۔“ وہ مہری سانس لے کر پلٹ گئی اور ڈسٹر اٹھالیا۔

”تم خوش اور مطمئن کیوں نہیں ہو اپنی زندگی سے؟ ہر چیز تو ہے تمہارے پاس۔“ خود غرض انسان

ایسے جیسے جھیل کے پانی پہ سنہری کمریوں نے
سوئے کا خول چہ حار کھا ہو۔ اور اس دیکھتے پھلتے
سوئے کے اندر ایک منظر انجرا نجر کے ماحول پر رہا
تھا۔

سنہرا چمکتا تاج اس کے سر پہ تھا تھا اور تاج
کے پیچھے سے نکلتا سرخ رنگی کپڑا اس کی کمر تک مگرا
تھا۔ پاؤں کو چھوتا کام دار سرخ لباس بنے، وہ قد نیم
ملا کہ کی اس سڑک کے کنارے چل رہی تھی۔ کئی پہ
خالی نوکری لٹکی تھی۔

یہ سن باؤ کی حویلی کے سامنے بنی سڑک تھی جس
کے دوسری جانب درختوں سے مزین بزمہ زار تھا۔
وہاں جگہ جگہ جنگلی اور دیسی پھول گئے تھے۔ تالیہ ایک
لودے کے سامنے رکی اور جھک کے پھول توڑنے
لگی۔ دفعتاً درختوں میں ہلچل ہوئی۔ اس نے جھکے
جھکے گردن اٹھائی، پھر مسکراتی ہوئی سیدھی ہوئی۔

”آپ آج جانا نہیں گئے تو اکو؟“
وہ سامنے سے گھوڑے کی باگ تھاے چلا آ رہا
تھا۔ جواب دینے کے بجائے پہلے مسکرا کے سر کو
مخصوص انداز میں جنبش دی۔

”شہزادی‘ سلام۔“ پھر قریب چلا آیا۔ سفید
کرتے یا جامے میں‘ ماتھے پہ بال بکھیرے‘ قدم
اٹھاتا غلام شہزادی کو وہاں دیکھ کے جیسے حلقوڑ ہوا تھا۔
”آپ نے آج مجسمہ بنانے کا کام نہیں کیا
شہزادی؟“

”ایڈم اندر ہے اور کام کر رہا ہے۔ میں باہر
پھول توڑنے آئی تھی۔“

وہ اس کے قریب آچکا تھا۔ دونوں اب آنے
سامنے سڑک کنارے درختوں تلے کھڑے تھے۔
فانچ نے گھوڑے کی ہاگ اب تک تمام رکھی تھی۔
نظریں جھکا کے پھولوں کی نوکری کو دیکھا اور مسکرایا۔
”اور تمہیں لگتا ہے کہ میں آسانی سے یقین کر
لوں گا کہ تم یہاں صرف پھول پھیننے آئی ہو۔“

(باقی آئندہ ماہ)

نے سوال کیا۔
”ہر چیز ہونے سے کوئی خوش ہو سکتا ہوتا تو
شہزادیاں سب سے زیادہ خوش ہوتیں سر۔“
”تم ناشکری ہو لڑکی!“ وہ گہری سانس لے کر

کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ چپ چاپ فولڈرز صاف کر
کے صلیف کے اندر رکھتی گئی۔ یکدم چھانکے کی آواز آئی
تو وہ کرنٹ کھا کے پٹئی۔ فانچ بے دھیانی میں کرسی پہ مڑا
تو ہاتھ کانی کے مگ کو لگا۔ مگ میز پہ اونداھا ہو گیا جسے
اس نے تیزی سے تمام لیا۔ مگ خچ گیا مگر کانی میز پہ
گرہنی۔

”اس کو یہاں سے ہٹا لینا تھا‘ ناش!“ وہ
قدرے کوفت سے بولا۔ کانی ہاتھ کی پشت پہ بھی
گری تھی مگر صدمہ شکر کہ اب تک ٹھنڈی ہو چکی تھی۔
تالیہ تیزی سے وہاں آئی اور جلدی سے ٹشو پاکس سے
ٹشو کھینچ کر نکالے۔ فنانچ میز صاف کی۔ دو ٹشو سے
فرش پہ گرے مانع کوڑھانپا۔ پھر فانچ کو دیکھا جو ہاتھ
کی نیلی پشت کو بے زاری سے دیکھ رہا تھا۔ پاکس دور
تھا اور وہ ٹشو نہیں نکال سکتا تھا۔ تالیہ نے پاکس کے
بجائے اپنا بیگ اٹھایا جو صلیف پہ رکھا تھا اور اندر سے
ٹپلے واپس کا پیکٹ نکالا۔ موچے کی خوشبو والے
واپس دان فانچ کے پسندیدہ تھے۔ اس نے پیکٹ
کھولا تو ایک دم سارے میں موچے کی خوشبو پھیلنے
لگی۔ اس نے ادب سے پیکٹ سامنے کیا۔

”جاؤ‘ ناش! میں خود کر لوں گا۔“ سرد مہری سے
واپس کو جھٹکا اور آگے بڑھ کے ڈبے سے سوکھے ٹشو
کھینچے۔ پھر انہی سے ہاتھ صاف کرنے لگا۔
تالیہ کا ہاتھ فضا میں معلق رہ گیا۔ موچے میں
جیسے ایک دم کافور کی بو بھل گئی۔

وہ چپ چاپ کام سمیٹ کے باہر نکل گئی۔ نہ
کوئی سخت جواب دیا‘ نہ لمحے کا اظہار کیا۔ اسے دکھ ہوا
تھا۔

باہر کرسی پہ بیٹھے اس نے ہتھیلیوں پہ چہرہ مگر ادیا
اور دور دیکھنے کی دیواروں سے بنے کمریوں کو دیکھنے لگی۔
ان کے شیشوں پہ مختلف رنگوں کی روشنی پھری تھی۔